وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے

جلد 8	شمارہ 12	صفر 1436ھ	دسمبر 2014ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : انجینئر مختار فاروقی

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی

حافظ مختار احمد گوندل

پروفیسر خلیل الرحمٰن

محمد فیاض عادل فاروقی

مدیر معاون ونگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

تزئین وگرافکس: جواد عمر

قانونی مشاورت:

محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اختر ایڈووکیٹ

ترسیل زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے، قیمت فی شمارہ 40 روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر 2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ 35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْکَلِمَۃُ الْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ فَحَیْثُ وَجَدَھَا فَھُوَ اَحَقُّ بِھَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۂ انفطار	3
2	بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات		4
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	5
4	پاکستان میں نفاذِ اسلام	ڈاکٹر حفیظ الرحمٰن صدیقی	7
5	برطانوی ہند میں انیسویں صدی کے تعلیمی تناظر میں ہندو مسلم رویے	حافظ مختار احمد گوندل	17
6	اصل مسئلہ تو وہیں کا وہیں رہا!	مولانا امیر حمزہ	24
7	پاکستان اور افغانستان کے قومی سلامتی کے تقاضے	جنرل مرزا اسلم بیگ	28
8	درسِ نظامی کیا ہے؟		33
9	ہم کہاں کھڑے ہیں؟	محمد منظور انور	40
10	اہل علم کے تأثرات		46
11	آئینۂ حکمت بالغہ 2014ء		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ الانفطار (82)، آیات 19، رکوع 1

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ O وَاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِیْ جَحِیْمٍ O

بے شک نیکوکار نعمتوں (کی بہشت) میں ہوں گے اور بدکردار دوزخ میں

یَّصْلَوْنَھَا یَوْمَ الدِّیْنِ O وَ مَا ھُمْ عَنْھَا بِغَآئِبِیْنَ O

(یعنی) جزا کے دن اس میں داخل ہوں گے اور اس سے چھپ نہیں سکیں گے

وَ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ O

اور آپ کو کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے

ثُمَّ مَآ اَدْرٰکَ مَا یَوْمُ الدِّیْنِ O

پھر آپ کو کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے

یَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَیْئًا O وَ الْاَمْرُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ O

جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز اللہ ہی کا ہوگا

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

اِجْعَلُوْا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ النَّارِ حِجَابًا وَلَوْبِشِقِّ تَمْرَةٍ

اپنے درمیان اور دوزخ کے درمیان کوئی رکاوٹ بناؤ اگرچہ کھجور کا ٹکڑا (صدقہ کرنے) کے ذریعے سے۔

(طبرانی عن فضالۃ بن عبید رضی اللہ عنہ)

أَجْمِلُوا فِي طَلَبِ الدُّنْيا فَإِنَّ كُلًّا مُيَسَّرٌ لِمَا كُتِبَ لَهُ مِنْها

رزق کمانے میں اچھا انداز اختیار کرو، کیونکہ ہر شخص کو اس میں سے وہی میسر ہوتا ہے جو اس کے لیے (مقدر میں) لکھ دیا گیا ہے۔ (ابن ماجہ عن ابی حمید الساعدی رضی اللہ عنہ)

اِجْعَلُوْا مِنْ صَلَاتِكُمْ فِيْ بُيُوتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوها قُبُورًا

اپنے گھروں میں بھی نماز کا ایک حصہ (سنت اور نوافل) ادا کیا کرو اور ان کو قبریں نہ بناؤ (متفق علیہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما)

الجَامِعُ الصَّغِيْر فی احادیث البشیر والنذیر، للامام جلال الدین السیوطی رحمہ اللّٰہ

حرفِ آرزو

انجینئر مختار فاروقی

1۔ ماہِ نومبر 14ء کی خصوصی اشاعت 'جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش' چھپ کر قارئین کے ہاتھوں میں پہنچی اور نظر سے گزری تو ہمارے کئی معزز قارئین نے اس پر اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔ اس شمارے میں وہ آراء آپ کی خدمت میں حاضر ہیں۔ ان آراء کے ساتھ قارئین نے ہماری سابقہ کاوشوں اور کتابوں پر بھی اظہارِ خیال فرمایا ہے وہ بھی جوں کا توں (AS IT IS) شامل ہے۔

2۔ اس اشاعت کے ساتھ ہی 'حکمت بالغہ' کی مسلسل اشاعت کا آٹھواں سال مکمل ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور توفیق سے ممکن ہوا ہے اور آئندہ بھی اسی نے توفیق دیے رکھی تو (اِن شاء اللہ) یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ ہم اپنے ربّ ذوالجلال کے سامنے دست بدعا ہیں کہ وہ ہماری ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور جو اہل درد اور اہل علم اس میں دامے درمے سخنے تعاون کرتے ہیں ان کو اجرِ عظیم عطا فرمائے، آمین۔

اس سال بعض حالات کی وجہ سے مضامین کا ایک جاری سلسلہ 'یورپ پر اسلام کے احسانات' مکمل نہیں ہو سکا۔ اس کوتاہی پر ہم اللہ تعالیٰ سے بھی معافی کے خواستگار ہیں اور قارئین سے بھی۔ اور دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے کہ اس سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکیں، آمین۔

3۔ سال 2013ء کی خصوصی اشاعت 'الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ' کے نسخے ختم ہو گئے ہیں لہٰذا اب یہ اشاعت کتابی شکل میں چند اضافوں کے ساتھ پریس جا رہی ہے، ارادہ یہی ہے کہ اپنے عنوان کی عظمت کی وجہ سے یہ کتاب اعلیٰ کاغذ کے ساتھ طباعت کے بھی اعلیٰ معیار پر ہو، اللہ تعالیٰ ہی اس خواہش کو پورا کرانے والا ہے۔ وما ذالك على الله بعزيز

4۔ موقع کی مناسبت سے اس بات کا تذکرہ کرنے میں ان شاء اللہ فائدہ ہی ہوگا اور بعض قارئین کی معلومات میں اضافہ کا سبب بنے گا کہ حکمت بالغہ نے اپنی اشاعت کے آٹھ سالوں میں آٹھ خصوصی اشاعتیں شائع کی ہیں (اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہوا ہے) جن کے نام یہ ہیں:

☆ 2007ء حقیقت انسان نمبر

☆ 2008ء حقیقت علم نمبر

☆ 2009ء احیاء العلوم نمبر

☆ 2010ء دوقومی نظریہ اور پاکستان کا نظریاتی نظام تعلیم نمبر

☆ 2011ء حقوقِ نسواں نمبر

☆ 2013ء یاجوج ماجوج نمبر

☆ 2013ء الصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ ﷺ

☆ 2014ء جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے دوستوں، احباب، عزیزوں، خیر خواہوں، ہمدردوں اور حاسدوں کو بھی اپنے دین متین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی وسیع شانِ رحمت سے اسے شرفِ قبول بھی عطا فرمائے، آمین۔

اعتذار: قارئین کرام! اکتوبر 2014ء کے شمارے میں صفحہ 29 پر شعر کی تصحیح فرمالیں۔

؎ چمن کے مالی اگر بنالیں موافق اپنا شعار اب بھی
چمن میں آ سکتی ہے پلٹ کر چمن سے روٹھی بہار اب بھی

پاکستان میں نفاذِ اسلام

___ چند ناگزیر اقدامات کی ضرورت کی نشاندہی

ڈاکٹر حفیظ الرحمن صدیقی
(سابق پرنسپل، وفاقی گورنمنٹ اردو سائنس کالج کراچی)

پاکستان عقل اور جذبات دونوں کی ہم آہنگی سے بنا۔ عقل کے استعمال کا ثبوت علامہ اقبال کا 1930ء کا خطبہ الٰہ آباد ہے اور جذبات کی آمیزش کی مثال ''لے کے رہیں گے پاکستان'' کا مقبولِ عام نعرہ ہے۔

پاکستان کے لئے عقلی اور جذباتی دونوں قسم کی خواہشیں اس قدر شدید تھیں کہ بنگال اور آسام نے بھی جنہیں ان کی جغرافیائی دُوری کی بنا پر مجوزہ پاکستان میں شامل نہیں کیا گیا تھا، خود کو مجوزہ پاکستان میں شامل کرا لیا اسی وجہ سے 23 مارچ 1940ء کی لاہور کانفرنس میں مطالبہ پاکستان کی قرارداد بنگال کے ممتاز قائد جناب اے کے فضل الحق نے پیش کی تھی۔

جذبات کی آمیزش کی مثال یہ ہے کہ ''لے کے رہیں گے پاکستان'' کا نعرہ اس قدر مقبول ہوا کہ 1947ء کے آخری کل ہند انتخابات میں بھی وہی اسلامیانِ ہند کا انتخابی نعرہ بنا۔ اس وقت کے جو اشخاص آج 2014ء میں بھی حیات ہیں، جن میں راقم الحروف بھی شامل ہے، یہ نعرہ اچھی طرح سے یاد ہے۔

مندرجہ بالا معروضات کی تفصیل درج ذیل ہے:

ہندوستان کے مسلمان اور ہندو دونوں قوموں کے زعما 1930ء تک یہ بھانپنے لگے تھے کہ انگریز عنقریب ہندوستان چھوڑ دیں گے کیونکہ 1914ء کی عالمگیر جنگِ اوّل کی وجہ سے

برطانیہ معاشی طور پر تباہ ہو گیا تھا۔ متوقع آزادی کی صورت میں مسلمان زعما کو یہ فکر لاحق ہونے لگی تھی کہ برطانوی حکومت ہندوستان کے اقتدار کا وارث من حیث القوم ہندوؤں کو بنا کر جائے گی ایسی صورت میں مسلمان من حیث القوم ہندوؤں کی غلامی میں چلے جائیں گے۔ اس ممکنہ غلامی سے بچاؤ کی صورت ہمارے زعما کو یہ نظر آئی کہ شمال مغربی ہندوستان کے چاروں متصل صوبوں پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو بشمول کشمیر کو ملا کر ایک مسلم ریاست بنا دیا جائے۔ اس کے لئے ایک دُور اندیش فرزند ملّت چودھری رحمت علی نے ''پاکستان'' کا نام تجویز کیا۔ اس مطالبے نے اتنی زبردست مقبولیت حاصل کر لی کہ اس نے اسلامیانِ ہند کے عام مطالبے کی صورت دھار لی۔ اس مطالبے کو منظور کرانے کی ذمہ داری قائداعظم نے منظور فرمالی۔

اس جیسی سوچ کے حامل کچھ اور مسلمان اکابر بھی تھے جنہوں نے مطالبہ پاکستان کی 1940ء میں منظوری سے بھی دو تین برس پہلے 1937ء اور 1938ء میں مطالبۂ پاکستان سے بھی آگے بڑھ کر اپنا یہ ذہن بنا لیا تھا کہ اس ریاست کو محض ایک مسلم ریاست نہیں بلکہ ایک اسلامی ریاست ہونا چاہئے کیونکہ اسلامی ریاست کا تواتر اُمت کو جوڑے رکھتا ہے۔ تیرہ سو برس سے ایسا ہی ہوتا آرہا ہے۔ اس کا اندازہ 1920ء تا 1924ء کے درمیان پوری دنیا کو ہوا۔ عثمانی خلافت کے خاتمے کے بُرے آثار جب نظر آنے لگے تو پوری ملت اسلامی تڑپ اُٹھی اور اس کے تحفظ کے لئے جی جان سے کمربستہ ہوگئی جو احیائے خلافت کی تحریک کے نام سے مشہور ہے۔

ہندوستان میں اسلامی ریاست کو متشکل کرنے کے آرزومند ان زعما میں اکثریت چونکہ علمائے دین کی تھی اس لئے یہ باور کرنے کی قوی گنجائش ہے کہ ان کی سوچ میں یہ تاریخی حقیقت بھی ضرور شامل رہی ہوگی کہ اسلامی ریاست کا قیام آنحضرت ﷺ کی سنت متواترہ ہے اس لئے اس کا تواتر کے ساتھ باقی رکھا جانا شرعی تقاضا بھی ہے۔ بعد کے ہمارے اسلاف نے بھی اس کے تواتر کے تقاضے کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد بھی اسلامی ریاست باقی رکھی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اس کی پہلی کڑی تھی۔ ان کی ذات گرامی سے شروع ہونے والی خلافت 11ھ (632ء) سے 1342ھ (1924ء)، 1331 برس تک قائم رہی۔ عیسوی کیلنڈر کے حساب سے بھی وہ تقریباً اتنے ہی برس بنتی ہے، سات برس کم

تیرہ تیرہ سو سال۔ اس مدتِ مدید میں صرف ڈھائی برس کا انقطاع رہا جو ہلاکو کے ہاتھوں 656ھ (1258ء) میں بغداد کے سقوط کے سبب سے ہوا تھا اور جسے مصر کے ایثار پسند والی، ملک الظاہر نے خلافت کا تواتر قائم رکھنے کی غرض سے اپنے اقتدار کی کرسی نئے عباسی خلیفہ ابوالقاسم احمد عباسی کو پیش کر دی تھی۔

یہاں پر مزید ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ 1924ء میں خلافت کا اختتام، اسلامی نظامِ خلافت میں اس کی کسی طبیعی خرابی یا بوسیدگی کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ بدیسی سازش کی وجہ سے ہوا۔

1924ء میں جب سقوطِ خلافت کا المیہ واقع ہوا، ہندوستان کے مسلمان زعما کے ذہنوں میں اس المیے کی یاد ضرور تازہ رہی ہوگی۔ ان میں سے اکثر نے ہندوستان کی احیائے خلافت کانفرس کی سرگرمیوں میں بھی حصہ لیا ہوگا اس لئے قوی امکان ہے کہ 1937ء-1938ء میں جب ان کے ذہنوں میں ہندوستان میں اسلامی ریاست کے قیام کا منصوبہ متشکل ہو رہا تھا، اس کے متشکل ہونے کا محرک موقوف شدہ خلافت کا احیا رہا ہو۔ بہرصورت خواہ یہ محرک نہ رہا ہو، یہ حقیقت ہے کہ جس وقت ہندوستان میں ایک اسلامی ریاست کا قیام ان کے خوابِ آرزو میں موجود تھا، اس کے صرف نو برس کے اندر اندر اس کی عاجلانہ تعبیر پاکستان کی صورت میں جلوہ گر ہوگئی۔ یہ حقیقت اس ملک کے نام ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' سے بھی آشکارا ہو رہی ہے۔

ان زعما کی مجوزہ اسلامی حکومت کے لیے اس کا آئین بھی چونکہ اسلامی ہونا چاہئے تھا اس لئے ان حضرات نے اسلامی آئین کی تدوین کی ضرورت کو بھی سمجھ لیا تھا۔ اس ضرورت کے تحت اس کا خاکہ مرتب کرنے کی غرض سے مانے ہوئے چھ مسلم زعماء پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنالی تھی۔ ان کے اسمائے گرامی یہ تھے:

1۔ مولانا سیّد سلیمان ندوی　　2۔ مولانا عبدالماجد دریابادی

3۔ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں　　4۔ مولانا آزاد سبحانی

5۔ نواب احمد سعید خان چھتاری　　6۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی

دو نوجوان علماء تفسیر تدبرِ قرآن کے مصنف مولانا امین احسن اصلاحی اور مولانا محمد اسحاق سندیلوی اس کمیٹی کے معاون رکن بنا لیے گئے تھے۔

اس کمیٹی نے گہرے غور وخوض کے بعد 1945ء میں اسلامی آئین کا خاکہ تیار کیا۔ اسے عزیز الدین نام کے ایک صاحب نے 1956ء میں شائع بھی کر دیا یہ خاکہ 27 نکات پر مبنی تھا۔ یہ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ کی طرف سے نواب اسماعیل خاں اور چودھری خلیق الزماں نے قائم کرائی تھی۔

پاکستان جب وجود میں آ گیا تو قائداعظم نے بھی بحیثیت گورنر جنرل اسلامی اصولوں پر مبنی آئین کے لئے سفارشات تیار کرنے کی غرض سے 1۔مجلس دستور ساز پاکستان کے سیکرٹری جسٹس ایم۔ بی۔احمد 2۔پاکستان کے اٹارنی جنرل چودھری نسیم اور 3۔جسٹس اسماعیل پر مشتمل ایک سہ رکنی کمیٹی بنوائی۔اس نے اپنی سفارشات تیار کر کے قائداعظم کی خدمت میں پیش کر دیں مگر ان دنوں قائداعظم سخت علیل تھے۔اسی علالت میں وہ انتقال فرما گئے اس لئے اس کمیٹی کی سفارشات پیش رفت کی محتاج رہ گئیں۔

آئین سازی کے سلسلے میں دوسرا بہت ضروری کام یہ ہوا کہ دستور ساز اسمبلی نے قراردادِ مقاصد منظور کی جس میں کہا گیا کہ پاکستان کا آئین قرآن وسنت کے مطابق ہوگا۔آئین کے لئے سفارشات تیار کرنے کی غرض سے حکومت نے علماء اور ماہرین پر مشتمل ایک بنیادی اصولوں کی کمیٹی BASICE PRINCIPLE COMMITTEE بنائی۔اس کمیٹی میں بھی سیّد سلیمان ندوی شامل رہے۔ یہ امر 1937ء۔1938ء کی کمیٹی اور بنیادی اصولوں کی کمیٹی کے معماروں کی فکری ہم آہنگی کا ثبوت ہے۔اس کمیٹی کی تشکیل کے بعد پاکستان کے 31 جید علما کی ایک کمیٹی بنی جسے خود علمائے کرام نے اپنی مرضی سے بنایا تھا۔مولانا سیّد سلیمان ندوی اس کمیٹی میں بھی شامل رہے بلکہ وہی اس کے صدر تھے۔ایک ہی مقصد کی تینوں کمیٹیوں میں کسی رکن کا تواتر کے ساتھ شامل رہنا تینوں کمیٹیوں کی فکری ہم آہنگی کا ثبوت مزید ہے۔

31 علماء کی اس کمیٹی کی قابل ستائش بات یہ تھی کہ اس میں مسلمانوں کے تمام مسلمہ فرقوں کے نمائندے شامل تھے اور ان حضرات نے زیر تدوین آئین کے لئے 22 نکات پر مبنی جو سفارشات تیار کیں وہ بھی متفقہ تھیں۔ وہ آج تک متفقہ چلی آ رہی ہیں ۔ باہمی اتفاق رائے کا بنیادی سبب اس دستاویز کا نواں نکتہ ہے جس میں قرار دیا گیا ہے کہ تمام مسلمہ فرقوں کے مقدمات

کے فیصلے ان کی اپنی اپنی فقہ کے مطابق ہوا کریں گے اور بہتر ہوگا کہ ان ہی کے قاضی ان کے مقدمات کے فیصلے کریں۔

1954ء میں جب دستور ساز اسمبلی میں دستور بننے لگا تو اس نے 22 نکات کو اطمینان بخش حد تک سمولیا۔ دستو سازی کے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے اس کی صرف تیسری خواندگی (THIRD READING) باقی رہ گئی تھی جو محض چند دنوں کا کام تھی کہ گورنر جنرل غلام محمد نے اپنی لادینیت پسندی کی وجہ سے دستور ساز اسمبلی 24 اکتوبر 1954ء کو تحلیل کردی۔

دوسری دستور ساز اسمبلی 1955ء میں بنی۔ اس وقت ملک کے وزیر اعظم چودھری محمد علی تھے جو اسلامی ذہن کے حامل تھے انہوں نے دن رات ایک کر کے آئین بنا لیا۔ اسے 23 مارچ 1956ء کو نافذ کر دیا گیا۔ آئین سازی کی تکمیل اور اس کے نفاذ پر ملک بھر میں بڑی خوشی منائی گئی۔ اس کے مطابقت میں قانون سازی کے لئے سفارشات تیار کرنے کی غرض سے ایک COUNCIL OF ISLAMIC IDEOLOGY (اسلامی نظریاتی کاؤنسل) بنائی جائے گی۔ اس وقت سوءِ اتفاق سے ملک کے سربراہ (صدرِ مملکت) اسکندر مرزا نام کے ایک آزاد خیال انسان تھے۔ اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے انہوں نے نظریاتی کاؤنسل بنانے میں دو سال لگائے۔

آئین کے نفاذ کے بعد ملک میں عام انتخابات ہونے تھے جو فروری 1959ء میں ہوتے مگر اس وقت کے آنے سے پہلے پہلے 8 اکتوبر 1958ء کو پاکستان کے آرمی چیف جنرل ایوب خاں نے آئینی حکومت برطرف کر کے ملک میں مارشل لاء کی حکومت قائم کردی۔ انہوں نے اپنی حکومت بہ شکل دگر 1967ء تک طول دی۔ دوران حکومت انہوں نے 1962ء میں مارشل لاء ختم کر کے جمہوری حکومت قائم کی اور اسے چلانے کے لئے اپنی بنائی ہوئی اسمبلی سے ایک آئین بھی بنوایا پھر بھی ان کے یہ دونوں اقدامات ان کی مارشل لا حکومت کا ہی تسلسل رہے۔ پاکستان نام کو بھی ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' نہیں رہا۔ اسے DEMOCRATIC REPUBLIC OF PAKISTAN کا نیا نام دے دیا گیا۔ ان کے اس قسم کے طرز فکر کی وجہ سے اہل وطن کو اسلامی نظامِ حکومت کی برکات دیکھنا نصیب نہیں ہوا۔

25 مارچ 1969ء کو ایک اور آرمی چیف جنرل یحییٰ خاں نے جنرل ایوب خاں کی

حکومت کی جگہ لے لی۔ یحییٰ خاں کی حکومت ملک میں اسلام کا نفاذ تو کیا کرتی اس نے 16 دسمبر 1971ء کو وطن عزیز کو دولخت کرا دیا۔اس کی دولختگی کے بعد ذوالفقار بھٹو نے جو قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے تھے، اپنی لابی (LOBBY) کے زور پر حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی مگر آئینی سربراہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے چار مہینے کے بعد، اپریل 1972ء میں جیسا کہ اسما جیلانی کیس میں سپریم کورٹ کے ایک فیصلے کے ذریعے صادر ہوا، ذوالفقار بھٹو کے پیش رو، جنرل یحییٰ خاں کو غاصب (USURPER) قرار دے دیا گیا۔اس فیصلے کی مطابقت میں ذوالفقار بھٹو کی حکومت بھی غاصب قرار پانے کی مستوجب ہو جاتی مگر اس فیصلے کی بو پا کر انہوں نے دو تین دن پہلے ہی مارشل لاء اٹھا لیا اور پہلے سے اپنا بنوایا ہوا عبوری آئین (INTERIM CONSTITUTION) نافذ کر کے خود کو غاصب قرار پانے سے بچا لیا۔

ذوالفقار بھٹو کی حکومت پچھلی دونوں مارشل لاء حکومتوں سے زیادہ ماورائے آئین (EXTRA CONSTITUTIONAL) تھی۔انہوں نے اپنے عبوری آئین کے بعد ایک مستقبل آئین بھی بنوایا مگر ان کی ذاتی اغراض کی وجہ سے اسے نافذ نہیں کیا۔14 اگست 1973ء کو اسے رسماً نافذ کیا تھا، دوسرے ہی دن ملک میں ایمرجنسی نافذ کر کے اس کے نفاذ کو روک دیا حالانکہ وہ آئین تنہا بھٹو حکومت کا بنایا ہوا نہیں تھا۔اسے بنانے میں قومی اسمبلی کی تمام جماعتیں شریک تھیں۔اس بنا پر اس آئین کی حیثیت دو فریقی معاہدے کی تھی۔ایمرجنسی نافذ کر کے انہوں نے معاہدے کی صریح خلاف ورزی کی۔آئین کے نفاذ سے گریز کا فائدہ تنہا انہوں نے حاصل کیا، اسلامی جماعتوں نے معاہدے کے تحت آئین میں اسلامی دفعات جو شامل کرائی تھیں، انہیں نفاذ میں آنا نصیب نہیں ہوا۔

1970ء کے انتخابات کے بعد دوسرے عام انتخابات 1977ء میں ہوئے جو ذوالفقار بھٹو نے ہی کرائے۔ان انتخابات میں انہوں نے خود کو اور اپنے من پسندوں کو بلا مقابلہ منتخب کرا لیا۔وہ ان کی صرح دھاندلی RIGGING تھی اس لئے قوم ان پر بہت غضب ناک ہوئی۔ناچار فوج نے انہیں برطرف کر کے حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی اور مارشل لاء نافذ کر دیا۔

تاہم یہ مارشل لاء ایک حلیم الطبع آدمی کا لگایا ہوا تھا۔ وہ شخص جنرل محمد ضیاء الحق تھے جو نہایت متشرع مسلمان تھے۔ ان کی حکومت کا بہت قابل ستائش وصف یہ رہا کہ انہوں نے اسلام کے قوانین نافذ کرائے جو اہل وطن کی ایک دیرینہ آرزو تھی۔ پبلک مقامات ـــــ ریلوے اسٹیشنوں، ہوائی اڈوں اور سرکاری دفاتر ـــــ میں اقامت صلوٰۃ کے انتظامات کرائے۔ احترام رمضان کا قانون نافذ کیا۔ حدود کے قوانین نافذ کئے۔ زکوٰۃ کی وصولیاں بھی اور ضرورت مندوں میں تقسیم کا انتظام کیا۔ سود کی ممانعت کرائی۔ اعلیٰ عدالتوں کو غیر شرعی قوانین منسوخ کرنے کے اختیارات دیے۔ وفاقی شرعی عدالت قائم کی۔ وفاق میں محتسب (EMBEDS MAN) کی عدالت قائم کی جس میں کورٹ فیس کے بغیر انصاف ملنے لگا۔ راقم الحروف نے بھی اس عدالت سے دوبار انصاف حاصل کیا۔ قرار داد مقاصد کو جو آئین کا محض دیباچہ (PREAMBLE) ہوا کرتا تھا، بذریعہ دفعہ 2۔الف آئین کی مستقل بالذات شق (SUBSTANTIVE CLAUSE) بنایا۔

انہوں نے دنیائے اسلام سے برادرانہ روابط مضبوط کئے، ان کے تعاون سے متعدد بار عالمی اسلامی کانفرنس کرائیں، اُمت مسلمہ کے ساتھ بھائی چارے کا ماحول بنایا، ان کی اخوت دیکھ کر پوری اسلامی دنیا میں ان سے محبت کی جانے لگی، وہ نہایت نڈر انسان تھے اس لئے انہوں نے اہل وطن میں جہاد کا جذبہ اُبھارا، اسی کے ذریعے افغانستان سے سوویت روس کی جارحیت ختم کرائی۔

اپنے گوں نا گوں اوصاف کی وجہ سے انہیں علمائے کرام کی بڑی حمایت حاصل رہی۔ راقم الحروف نے 1983ء میں نفاذِ اسلام کے لئے ان کی پیش رفتوں (ACCOMPLISHMENT) پر روزنامہ جنگ میں آٹھ قسطوں میں ایک مضمون لکھا جس میں نفاذِ اسلام کے لئے ان کے پچاس سے متجاوز اقدامات اجاگر کیے۔ مگر 17 اگست 1988ء کو فضائی حادثے میں ان کی شہادت کے بعد سے نفاذ اسلام کا کام یک لخت رک گیا۔ ان کی شہادت کے بعد 2 دسمبر 1988ء کو مسز بے نظیر بھٹو کی حکومت قائم ہوئی۔ ان کے بعد یکے بعد دیگرے محمد نواز شریف، دوبارہ مسز بے نظیر، دوبارہ نواز شریف، پھر جنرل پرویز مشرف اور پھر ذوالفقار بھٹو کی پیپلز پارٹی کی حکومتیں بنتی گئیں مگر نفاذ اسلام موقوف چلا آرہا ہے، مسز بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت میں ایک قابل تحسین کام، ''شریعت ایکٹ'' کی منظوری ضرور عمل میں آئی مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا

مسودہ جنرل ضیاء اپنے دور حکومت میں ہی تیار کر چکے تھے۔اس کی منظوری میں دو سال کی تاخیر ان کے متأخرین نے کرائی۔نواز شریف کی تیسری حکومت 2013ء سے قائم ہے مگر اس نے نفاذ اسلام کا تواتر بحال کرانے کا ارادہ اشارتاً کنایتاً بھی ظاہر نہیں کیا ہے۔

نفاذِ اسلام کی طرف سے حکومتوں کے گریز کی ایک بڑی وجہ الیکشن جیتنے کے لئے امیدواروں کی طرف سے RIGGING PRACTICE ہے۔اس لئے امیدواروں کو ناجائز روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔اس روپے سے ووٹ خریدے جاتے ہیں امیدوار جتنے بڑے عہدے کا امیدوار بنتا ہے، اس کے ووٹر اس سے اتنی ہی بڑی قیمت وصول کرتے ہیں۔عہدہ جب بڑھتے بڑھتے منسٹر تک کا ہو جاتا ہے تو ووٹ کی قیمت کروڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔سینٹ کے الیکشن میں ایک ایک ووٹ کی قیمت 33-32 کروڑ تک پہنچ گئی تھی۔اس کے بارے میں اخبار جنگ میں چھپا کہ امیدوار سینیٹر نے ووٹر سینیٹر (یا رکن اسمبلی) سے جب 33-32 کروڑ میں سودا طے کیا اور رقم برآمد کرنے کے لئے اسلام آباد کے کسی بینک میں گیا تو بینک میں اتنی نقدی (CASH) موجود نہیں تھی۔اس کی خاطر الیکشن روکے رکھا گیا۔کہا جاتا ہے کہ پاکستان کا ایک بینک الیکشنوں کی خاطر قرضے دیتے دیتے ڈوب گیا کیونکہ قرضے لینے والے ایسے قرضے واپس نہیں کیا کرتے۔

RIGGING چونکہ ناگزیر ضرورت بنا دی گئی ہے اس لئے اسے ختم کرنا محال ہو گیا ہے۔اسمبلیاں اسے کیوں ختم کرنے لگیں، یہ تو ان کے ارکان کی آمدنی کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ بڑے پیمانے کی انتخابی دھاندلیاں اور ووٹوں کی خرید و فروخت کی وجہ سے یہ مسئلہ گھمبیر بن کے نمودار ہو گیا ہے کہ ملک کے سیاسی نظام کو پاکیزہ بنانے کے لئے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔

اس کی ایک تدبیر صدر ضیاء الحق نے اختیار کی تھی۔انہوں نے آئین کی دو دفعات 63-62 میں اس مفہوم کی شقیں (CLAUSES) شامل کرا دی تھیں کہ امیدوار کو صادق و امین ہونا چاہئے اور یہ کہ اس کی تعلیمی استعداد کم سے کم گریجویشن ہونی چاہئے۔انتخابات ان شقوں کے ساتھ ہوئے۔انتخابات کے کچھ دنوں کے بعد کامیاب امیدواروں کی ڈگریوں کی ایک بار جانچ پڑتال (VERIFICATION) کروائی گئی تو پچپن سے زیادہ ڈگریاں جعلی نکلیں۔جعلی ڈگریوں کا پکڑا جانا اس قانون کے نفاذ کا بہت بڑا فائدہ تھا اس لئے اسے برقرار رہنا چاہئے تھا۔برقرار تو وہ

اب بھی ہے مگر تب سے ایک ترکیب کر کے اسے غیر مؤثر بنا دیا گیا ہے۔ HIGHER EDUCATION COMMISSION کے باوقار ادارے کو جسے جانچ پڑتال کا اختیار دیا گیا ہے، تب سے وفاقی حکومت کے ہاتھ سے لے کر صوبائی حکومتوں کے ہاتھ دے دیا گیا ہے۔

ایسی ایسی بد مثالیوں کی وجہ سے RIGGING اور دوسری انتخابی بدعنوانیوں کے سدباب کے لئے آئین میں مزید اصلاحی دفعات شامل کرانے کی ضرورت نظر آنے لگی ہے۔ ان میں سے میری نظر میں سب سے مقدم ضرورت یہ ہے سیاست کاری (POLITICAL PRACTICE) کو ایرے غیرے کا شغل نہ رہنے دیا جائے۔ اس وقت یہ عطائی ڈاکٹروں جیسی پریکٹس ہے۔ اس میں حصہ لینے کے لئے آئینی اصلاحات کے ذریعے اسے میڈیسن اور انجینئرنگ جیسا باوقار پیشہ بنا دیا جانا چاہئے۔ سیاست کاری کے لئے مستقل بالذات (SUBSTANTIVE) لیاقت مقرر ہو۔ اس میں سند یابی رکھنے والا طالب علم سیاست کاری کا اہل ہو۔ ملکی آئین اور آئین سازی سے واقف ہو اور سیاسی نظمیات (POLITICAL SETUP) بھی جانتا ہو۔

دوسری اہم ضرورت یہ ہے کہ موجودہ ملکی پارلیمانی نظام میں صدر اور وزیراعظم کے درمیان اختیارات کی ازسرنو تقسیم عمل میں لائی جائے کیونکہ اختیارات کی موجودہ تقسیم غیر منطقی ہے۔ صدر حالانکہ وزیراعظم سے زیادہ عوامی نمائندگی کا حامل ہوتا ہے، وہ قومی اسمبلی، سینیٹ اور تمام صوبائی اسمبلیوں کا منتخب کردہ ہوتا ہے۔ پھر بھی بہت قلیل اختیارات اس کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ اس کے بالمقابل وزیراعظم قومی اسمبلی کے انتخابی حلقوں میں سے صرف ایک حلقے سے منتخب شدہ ہوتا ہے پھر بھی زیادہ اختیارات ہاتھ میں رکھتا ہے۔ ان کی ازسرنو تقسیم عمل میں آنی چاہئے۔ یہ کام صدر اور وزیراعظم کے اختیارات کی محض ادل بدل کے ذریعے کیا جا سکتا ہے کہ صدر کے انتخابات وزیراعظم کو منتقل کر دیے جائیں اور وزیراعظم کے اختیارات صدر کو۔

تیسری اہم ضرورت یہ ہے کہ مقنّنہ (LEGISLATURE) یعنی قومی اسمبلی اور سینیٹ کو نظمیہ (EXECUTIVE) سے علیحدہ کر دیا جائے تاکہ مقنّنہ قانون سازی میں نظمیہ کے اثر سے آزاد ہو۔ خلافت کی ہماری تاریخ بھی ایسا ہی بتاتی ہے۔ قانون سازی خلیفہ وقت کے اثر

سے آزاد، فقہا (JURISTS) کی مجلس کے ہاتھ میں ہوا کرتی تھی۔ اس کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ عباسی خلیفہ منصور نے اپنی خلافت چلانے کے لئے فقہی قوانین خود نہیں بنائے بلکہ فقہا کی مجلس سے بنوائے جس کے صدر اس وقت امام ابو یوسف ہوا کرتے تھے۔

آئین میں ضروری ترمیمات کی ضرورت:

الف: 1973ء کے آئین کی مندرجہ ذیل دو دفعات ترمیم کی اشد محتاج ہیں کیونکہ ان کے بغیر ہماری اسمبلیوں کی زندگیاں (TENURES) خطرے میں رہتی ہیں، ان کی زندگی کا چراغ گل کر دینا بجلی کا سوئچ آف کر دینے کی طرح سے ذرا سی جنبش انگشت کا محتاج رہتا ہے لہٰذا آئین کی دفعہ 58 جس کے ذریعے وزیراعظم کو اسمبلی تحلیل کرا دینے کا اختیار تفویض کیا گیا ہے، ان سے واپس لے لیا جائے۔ یہ اختیار واپس لے لینے کی ضرورت پچھلے اگست (2014ء) کے آزادی اور انقلاب مارچوں نے زیادہ بڑھا دی ہے کیونکہ وزیراعظم اگر مارچ والوں کے دباؤ میں جا کر مستعفی ہو جاتے تو نتیجتاً اسمبلی ٹوٹ جاتی۔ ایسا حادثہ جولائی 1993ء میں ہو چکا ہے کہ وزیراعظم نے دباؤ میں آ کر استعفیٰ دے دیا اور نتیجتاً قومی اسمبلی بغیر کسی گناہ قصور کے تحلیل ہو گئی۔

اس اختیار کا وزیراعظم کے ہاتھ میں رہنا بے جا بات بھی ہے کیونکہ وزیراعظم اسمبلی ایسے وقت میں اسمبلی توڑتا ہے جب وہ اسمبلی کا اعتماد کھو چکا ہے۔ ایسے وقت میں اس کا اسمبلی تحلیل کرانا سراسر منتقمانہ اقدام ہے۔ وزیراعظم کا یہ اقدام اسمبلی کو اور اس کے ارکان کو وسط مدتی انتخابات کے اخراجات میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اسمبلی توڑنے کا اختیار اگر آئین میں رہنا ہی ہو تو وہ صدر مملکت کو تفویض کر دیا جائے کیونکہ صدر مملکت اسمبلی کے رقیب نہیں ہوتے۔

ب: وزیراعظم کے لئے پارٹی کا عہدہ ممنوع کر دیا جانا چاہئے۔ کسی پارٹی چیف کے وزیراعظم منتخب ہو جانے کی صورت میں پارٹی کا نیا صدر منتخب ہونا چاہئے تاکہ وہ وزیراعظم کی کارکردگی کا جائزہ لیتا رہے۔

ت: آئین میں پارٹی چیف کو اپنی پارٹی کے رکن اسمبلی کی رکنیت اس کی طرف سے پارٹی ڈسپلن کی خلاف ورزی پر ختم کر دینے کا جو اختیار بذریعہ دفعہ 63۔الف دیا گیا ہے اور جو عرفِ عام میں چودھویں ترمیم کہلاتا ہے واپس لے لیا جائے کیونکہ رکن اسمبلی عوام کا منتخب کردہ ہوتا ہے جب

کہ پارٹی چیف اصولاً اسمبلی سے باہر کا فرد ہوتا ہے۔اس دفعہ کی تنسیخ اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے اسمبلی کی بااختیاری پر حرف آتا ہے۔

ث: ان سب نقائص سے بھی بڑھ کر ہماری جمہوریت کا نقص یہ ہے کہ اس میں جمہور کی نہیں سنی جاتی۔ اپنی بات سنانے والوں کو بعض اوقات کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر جیل میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہ بدسلوکی جمہور کے ووٹوں سے گدّی نشین ہونے والوں کی صریح احسان فراموشی ہے جمہور نے انہیں نہ صرف گدی نشین کرایا ہوتا ہے بلکہ وہی حکومت کا خرچہ بھی اٹھاتے ہیں۔اس لئے ان کی آواز سننے کے لئے کوئی نہ کوئی انتظام ہونا چاہئے جس کے ذریعے جمہور کی آواز سنی جاسکے اور ان کے مشوروں کو قبول بھی کیا جاسکے بصورت دیگر جمہوریت کا باغ جمہور کے لئے بے ثمر رہے گا۔

برطانوی ہند میں
انیسویں صدی کے تعلیمی تناظر میں
ہندو مسلم رویے

حافظ مختار احمد گوندل

ایک دور تھا کہ برعظیم پاک و ہند کی دولتِ علم و ہنر کے افسانے پورے عالم میں مشہور تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اقوامِ عالم کشاں کشاں اس خطہ ہبوطِ آدم علیہ السلام کی جانب کھنچے چلے آ رہے تھے۔ سکندر اعظم نے اپنی فوج کو کہا تھا کہ تم اس سنہرے ہند کی طرف کوچ کر رہے ہو جہاں نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔ یورپ و یونان جب تہذیب سے نا آشنا تھے تو یہاں کی تہذیب و ثقافت درجہ کمال کو پہنچ چکی تھی۔ تعلیم نہ صرف مفت بلکہ تمام تعلیمی مصارف حکومتوں کی ذمہ داری تھی۔ دہلی کی قریب ترین ریاست روہیلکھنڈ میں پانچ ہزار علماء مختلف مدارس میں تعلیم دے رہے تھے۔ شہنشاہ اورنگ زیب کے دور میں دہلی سے تقریباً ایک ہزار میل کے فاصلے پر ٹھٹہ سندھ میں چار سو مختلف علوم و فنون کے کالج تھے۔ مقریزی اپنی کتاب میں تحریر کرتا ہے کہ دور شاہ محمد تغلق میں دہلی میں ایک ہزار مدارس قائم تھے۔ بنگال پر انگریزی عمل داری سے قبل ایک ہزار مدارس موجود تھے۔ ہر چار سو آدمیوں کی آبادی پر ایک مدرسہ لازمی طور پر کھولا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی موضع بھی مدرسہ سے خالی نہ تھا۔ یہ حقیقت ہے کہ دور قدیم تعلیمی اعتبار سے برٹش دور سے بہتر تھا۔ مسلم دور حکومت میں ہمیشہ ڈیفنس بجٹ تعلیمی بجٹ سے کم ہوا کرتا تھا۔ کیونکہ ڈیفنس بجٹ کا دارومدار مال غنیمت پر ہوا کرتا تھا۔ 1943ء میں امریکہ فی کس تعلیم پر 400 ڈالر، برطانیہ 100 ڈالر، جبکہ ہندوستان کی برطانوی حکومت فی کس سالانہ 3 ڈالر خرچ کر رہی تھی۔ جبکہ 26-1925ء کا ڈیفنس

بجٹ 39.5 فی صد اور تعلیمی بجٹ تقریباً 7 فیصد۔ یہاں تک کہ 1930ء میں مرکزی حکومت ہند کا تمام عالم میں سب سے زیادہ ڈیفنس بجٹ ساڑھے باسٹھ (62.5) فیصد ہوگیا جبکہ تعلیمی بجٹ کم سے کم تر ہوتا چلا گیا اور آج بھی اسلامی دنیا کی تعلیمی پسماندگی کی بنیادی سبب اسی سامراجی پالیسی کا تسلسل ہے کہ جس میں دفاعی بجٹ سب سے زیادہ اور تعلیمی بجٹ سب سے کم ہے۔ عالم اسلام میں اس وقت سب سے زیادہ تعلیم پر خرچ سعودی عرب کر رہا ہے جس کا تعلیمی بجٹ 6.4 ہے اور دوسرے نمبر پر ایران ہے جس کا تعلیمی بجٹ 6.2 ہے جبکہ پاکستان کا تعلیمی بجٹ 2.7 ہے اور حیران کن امر یہ ہے کہ بنگلہ دیش کا تعلیمی بجٹ 5.4 ہے۔ اس پر مستزاد وہ صنفی تفریق ہے جو تمام عالم اسلام میں پائی جاتی ہے۔ مسلم دنیا میں تعلیمی اعتبار سے خواتین کافی پسماندہ ہیں۔ اقوام متحدہ کی انسانی ترقی کے سروے کے مطابق وسائل کا تعلیم کے اعتبار سے استعمال سب سے اول نمبر پر ہے۔ جس کا عالمی درجہ بندی میں پچیسواں نمبر ہے۔ حالانکہ ہمہ گیر اور آفاقی مذہب اسلام روزِ اول ہی سے تمام انسانیت کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے ایک اصولی نظریہ کا علمبردار ہے۔ آج ترقی یافتہ اقوام کا دنیا پر تفوّق تعلیم کے میدان میں برق رفتاری سے ارتقائی منازل طے کرنے کا ہی مرہونِ منّت ہے۔

نکوموڈی کانتی انگریز اپنے سفرنامہ.....میں جنوبی ایشیا کے بارے میں لکھتا ہے، یہاں گویا سونے کے دریا بہہ رہے ہیں۔ مسلم دور حکومت میں ہندوستان کی ترقی وخوشحالی کا یہ حال تھا کہ کم وبیش ایک ہزار قسم کے طلائی، نقرئی اور تانبے کے سکے رائج تھے اسی دولت بیش بہا کو دیکھ کر انگریزوں نے بڑی چالاکی اور عیاری کے ساتھ پہلے اس ملک میں تجارت کے نام پر اڈے بنانے کی اجازت حاصل کی اور پھر بعد میں مسلم حکومت کے کمزور ہوتے ہی انھوں نے اپنے آپ کو مسلح اور مستحکم کرنا شروع کر دیا۔ مشہور پرتگیزی بحری کپتان واسکوڈے گاما جو 1498ء میں ہند کے مغربی ساحل پر واقع شہر کالی کٹ میں لنگر انداز ہوا اس نے مقامی راجہ زمورن سے پہلا تجارتی معاہدہ کیا۔ 1600ء تک ہند کی بحری تجارت انہی پرتگیزوں کے ہاتھ میں رہی۔ بعد ازاں اس رشک جنت خطہ پاک وہند کی لوٹ کھسوٹ میں دیگر یورپی اقوام ولندیزی، فرانسیسی اور انگریز بھی شامل ہوگئے۔ 1612ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شہنشاہ جہانگیر کے دور میں سورت کے مقام پر

انہوں نے تجارتی منڈی قائم کی۔ 1634ء میں انہیں بنگال میں شہنشاہ شاہجہاں کی طرف سے تجارت کی اجازت عطا ہوئی۔ بنگال میں انگریزوں کے انہی توسیعی منصوبوں کو بھانپتے ہوئے نواب سراج الدولہ نے 1757ء میں ان سے پلاسی میں باقاعدہ جنگ کی۔اس جنگ میں شکست کے بعد کمپنی تجارت کے ساتھ حکومت پر بھی قابض ہوگئی۔دوسری طرف جنوب میں سلطان حیدر علی اور سلطان ٹیپو نے انگریزوں کی پیش قدمی کو روکنے کی بھرپور کوشش کی جس میں بالآخر 1799ء میں سرنگاپٹم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ لڑتے ہوئے سلطان ٹیپو شہید نے جام شہادت نوش کیا۔

ٹیپو سلطان اور دیگر آزادیٔ ہند کے متوالوں کی شہادت کے بعد انگریزوں کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور ملک میں انھیں چیلنج کرنے والا کوئی نہیں تھا۔انگریزوں نے سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری اور تبلیغی سرگرمیاں بھی شروع کر رکھی تھیں۔مسلمان چونکہ نادار تھے لہٰذا وہ ان عیسائیوں مشنریوں کا تر نوالہ بننے لگے۔ 1803ء میں انگریزوں کی طرف سے جب دہلی میں اعلان ہوا کہ ''خلق خدا کی۔ ملک بادشاہ کا۔ لیکن آج سے حکم ہمارا ہے'' تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے دہلی میں یہ اعلان کیا تھا آج ہمارا ملک غلام ہوگیا۔اس اعلان کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی جائیداد قرق کر لی گئی، بینائی جاتی رہی، انہیں زہر دے دیا گیا، دہلی سے شہر بدر کر دیا گیا۔ 1824ء میں وہ انتقال فرما گئے۔ یہ ان کی ایمانی فراست تھی اور ملک کے سنگین حالات جن کے پیش نظر، تحریک ولی اللّٰہی کے اس قائد شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیتے ہوئے انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہور فتوی دیا۔اسی پس منظر میں سیّد احمد شہید رائے بریلی کی تحریک شروع ہوئی جس نے انگریزوں کے حلیف سکھوں کے ساتھ تاریخی جہاد چھیڑا اور اس میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید وغیرہ حضرات نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا اور ہندو قوم اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نہ صرف متروکہ مسلم جائیدادوں پر قابض ہوئے بلکہ انگریزوں سے ان کی قربتوں میں بھی اضافہ ہوگیا اور وہ انگریزوں کے محض آلہ کار بن کر رہ گئے۔

جہاد 1857ء کی ناکامی اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد، ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان انگریزوں کی انتقامی کارروائی کا سب سے زیادہ نشانہ بنے کیونکہ حکومت ان کے ہاتھوں سے چھن چکی تھی، تعلیم کے دروازے ان پر بند کر دیے گئے تھے اور انہیں مرتد بنانے کی بڑے

پیمانے پر کوششیں جاری تھیں، ہسپانیہ کے زوال کی داستان یہاں بھی دہرائی جارہی تھی، انگریزوں نے 33 یا 34 ہزار علماء کو شہید کیا اور امراء کی ایک بڑی تعداد کو قتل کردیا گیا، مدارس ومعاہد تباہ وبرباد کردیے گئے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو ختم کرنے کا تہیہ کرلیا۔ انگریزوں کو خطرہ تھا کہ تعلیم یافتہ لوگ ہماری حکومت کے لئے خطرہ کا باعث ہیں، اسی بناء پر تعلیمی مدارس کو برباد کردیا گیا۔ سرکاری زبان فارسی کو ختم کرکے انگریزی کو سرکاری زبان بنادیا گیا جبکہ مسلم دور حکومت میں تعلیمی اداروں میں تمام ہندوستانیوں کو تعلیم کے برابر مواقع حاصل تھے اور کوئی تفریق روا نہیں رکھی جاتی تھی۔

جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کرلیا تب اطراف وجوانب کے باغیوں کی سرکوبی کی مہم بڑے پیمانے پر شروع کردی۔ انگریزوں کی اس فہرست میں تھانہ بھون اور شاملی بھی تھا۔ انگریزوں نے اس حملہ کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ وبرباد کردیا۔ جنگ میں حصہ لینے والے تمام مجاہدین کے خلاف وارنٹ جاری ہوا۔ 1834ء میں لارڈ میکالے کی صدارت ایک تعلیمی کمیٹی بنائی گئی جس کا پہلا اجلاس 7 مارچ 1835ء میں منعقد ہوا۔ جس کا مقصد ہندوستانیوں کو فکری طور پر انگریز بنانا تھا۔ اور لارڈ میکالے کی اس سکیم کا مقصود یہ تھا کہ ''اس نظام تعلیم سے جو نسل تیار ہوگی وہ چمڑے اور چہرے کے اعتبار سے تو ہندوستانی ہوگی لیکن دل ودماغ کے اعتبار سے انگریز ہوگی۔'' گو اس کا اثر ہندوؤں پر تو بہت زیادہ ہوا۔ لہٰذا ان تعلیمی اداروں کے فارغ التحصیل افراد میں ہندوؤں کی زیادہ ہوگئی اور حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر وہی براجمان ہوتے چلے گئے۔ 1845ء میں سرکاری مدارس میں طلبا کی تعداد 17360 تھی۔ جن میں مسلم طلبا کی تعداد محض 1636 تھی۔ کیونکہ مسلمان اس نئے تعلیمی نظام میں مضمر دینی خطرات کے باعث نئے تعلیمی نظام سے متنفر ہوگئے تھے اور جو مسلمان ان اداروں میں داخل ہوتے ان میں اکثر الحاد کی دلدل میں پھنس کر مذہب سے دور ہوجاتے جیسا کہ معمار جامعہ میں تحریر ہے: ''آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہوں گے کہ میرے اکابر سلف نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان کے سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔ ہاں یہ بیشک کہا گیا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے کہ جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں، یا ملحدانہ گستاخیوں سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اُڑائیں یا حکومت وقتیہ

کی پرستش کرنے لگیں، تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کے لیے جاہل رہنا اچھا ہے۔'' اب ازراہ نوازش آپ ہی انصاف کیجئے کہ یہ تعلیم سے روکنا تھا یا اثر بد سے؟ اور کیا یہ وہی بات نہیں جس کو آج مسٹر گاندھی اس طرح ادا کر رہے ہیں کہ: ''ان کالجوں کی اعلیٰ تعلیم بہت اچھے صاف اور شفاف پانی کی طرح ہے جس میں دودھ ملا دیا گیا ہو''۔ ''ہاں ضرورت اس کی ہے کہ وہ تعلیم مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہو، اور اغیار کے اثر سے کلیتاً آزاد ہو۔ کیا باعتبار عقائد وخیالات کے اور کیا باعتبار اخلاق و اعمال کے اور کیا باعتبار اوضاع واطوار کے، ہم غیروں کے اثرات سے پاک ہوں۔''

لارڈ میکالے کی اس تعلیمی سکیم کے ثمرات (1763ء تا 1871ء) صرف 2۔3 فیصد خواندہ افراد کی صورت میں نکلے، جن میں مسلمان بہت کم تعداد میں تھے۔ آغاز میں انگریزوں نے ڈسٹرکٹ گزٹیر جو شائع کیے ان میں تعلیم کے اعداد وشمار بھی دیے جاتے رہے۔ لیکن مسلمانانِ ہند کے زوال تعلیم کے راز کو اخفاء میں رکھنے کے لیے بعد میں یہ سلسلہ ترک کر دیا گیا اور پھر یہی سبب تحریک علی گڑھ کے اجراء کا موجب بنا۔ جس نے مسلمانوں کی تعلیمی حالت سنوارنے کا بیڑا اُٹھایا۔ 1859ء میں سرسیّد احمد خان (1817-1898ء) نے مراد آباد میں ایک فارسی مدرسہ قائم کیا اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے حکومت سے یہ بھی سفارش کی کہ ''گورنمنٹ اپنی شرکت دیسی زبان میں تعلیم دینے سے بالکل اٹھا دے اور صرف انگریزی سکول جاری رکھے۔'' مشکل یہ تھی کہ انگریزی تعلیم کو مسلمانانِ ہند عیسائی ہو جانے کے مترادف سمجھتے تھے۔ 1862ء میں محمڈن لٹریری سوسائٹی اور اس کے بعد مجلس اشاعت تعلیم وترقی مسلمانان ہند قائم کیں۔ 1864ء میں غازی پور میں ایک سکول کا سنگ بنیاد رکھا اس میں انگریزی کے علاوہ اردو، فارسی، عربی اور سنسکرت کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ ہندوستان میں جدید یونیورسٹی کے قیام کی غرض سے یکم اپریل 1869ء کو وہ یورپ تشریف لے گئے۔ طویل عرصہ بعد واپس لوٹے تو 8 جنوری 1877ء کو علی گڑھ کالج کی بنیاد رکھی۔ 1886ء میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی گئی۔ جس کا اہم مقصد انگریزی تعلیم کے لیے جو انگریزی مدرسے جاری ہوں ان میں مذہبی تعلیم کے حالات دریافت کرنا تھا۔ ایک تقریر میں انہوں نے فرمایا تھا ''فلسفہ ہمارے دائیں ہاتھ میں ہوگا اور نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور کلمہ لا الہ الا اللّٰہ محمّد رسول اللّٰہ کا تاج سر پر'' 1904ء میں ''احیائے علوم

عربیہ'' کے نام سے علی گڑھ کالج میں ایک نئی تحریک اٹھی۔ بہرحال سرسید جدید تعلیم کے نہ صرف حامی تھے بلکہ برعظیم پاک و ہند میں اس کے بانی بھی تھے۔

راقم السطور کے نزدیک تحریک پاکستان کے اسباب میں ایک بنیادی سبب ہندو مسلم تعلیمی کشاکش بھی تھی۔ کیونکہ کثرت تعداد کی بنیاد پر ہندو تعلیمی میدان میں مسلمانوں پر برتری کا قائل تھا اور مسلمان اعلیٰ تعلیمی مواقع سے نہ صرف محروم کر دیے جاتے تھے بلکہ اسی تعلیم کی کمی کی وجہ سے وہ سیاسی قیادت سے بھی محروم تھے۔ پاکستان کی بنیادوں میں سب سے زیادہ تحریک علی گڑھ کے ہراول دستہ کی مساعی کارفرما ہیں۔ چونکہ وہ جدید تعلیم سے آراستہ تھے۔

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کا نصف اول ہندوستانی مسلمانوں کے لئے بڑا صبر آزما تھا۔ مسلمان انگریزی حکومت کے جبر و استبداد کا شکار تھے۔ انگریزی استعمار کا فتنہ زوروں پر تھا۔ پورے ملک میں عیسائی مشنریاں سرگرم تھیں۔ ہندوؤں میں ایک نیا فرقہ آریہ سماج وجود میں آچکا تھا۔ جسے انگریزوں نے سیاسی اقتدار پر تسلط جما لینے کے بعد یہاں کے ہندوؤں کو اکسایا کہ یہ مسلمان جو کسی زمانہ میں تمہاری ہی قوم کے ایک حصہ تھے انہیں اپنی عددی قوت کو بڑھانے کے لیے دوبارہ ہندو بنانے کیلئے تحریکیں برپا کی جائیں۔ لہٰذا شدھی اور سنگھٹن جیسی تحریکیں انگریزوں کی خفیہ سرپرستی میں برپا ہوئیں۔ اور ''آریہ سماج'' کے ذریعہ مسلمانوں کو مرتد کرنے کی تحریک پوری قوت سے شروع ہوگئی۔ یہ ہندو مذہب کا ایک نیا فرقہ تھا، جس کی بنیاد سوامی دیانند شرمانے 1875ء میں رکھی۔ آریہ سماجی لیڈروں نے ہندوؤں کو تعلیمی میدان میں آگے لانے کی بھی بھرپور کوششیں کیں۔ اور آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند شرما اور ان کے ہم نواؤں کا قلم اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے خلاف ایسا زہر اگل رہا تھا، جس سے مسلمانوں میں ارتداد کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا۔ ''ستیارتھ پرکاش'' اور ''رنگیلا رسول'' جیسی دل آزار کتابیں اسی دور کی یادگار ہیں۔ ان صبر آزما حالات میں ہندوستان کے تمام علماء داخلی و خارجی محاذوں پر اپنے مسلسل مناظروں، تحریروں اور تقریروں کے ذریعے جو چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کا جس کامیابی سے دفاع کیا، وہ تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ غیر منقسم ہندوستان کی غالب اکثریت ایسے مسلمانوں کی ہے جن کے آباء و اجداد ہندو تھے۔ اہل اسلام کے خلاف اس فکری محاذ

پرا کابرین نے اسلام کا کامیاب دفاع کیا۔تقریروتحریر، بحث ومناظرہ اور علمی ودینی اثر ونفوذ سے اس ارتدادی تحریک کو آگے بڑھنے سے روک دیا؛ بالخصوص حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نے اس سلسلے میں نہایت اہم وموثر خدمات انجام دیں۔ گوجرانوالہ کا ایک مسلمان جس کا نام عبدالغفور تھا۔ 1903ء میں پنڈت دیانند شرما کی تحریروں اور آریہ سماج کی شدھی تحریک سے متاثر ہوکر اسلام سے مرتد ہوگیا اور آریہ سماج میں داخل ہوگیا، اور عبدالغفور سے دھرمپال بن گیا۔ جس پر سماجیوں نے بڑی خوشی منائی اور جگہ جگہ جلوس نکالے۔ اس موقع پر آریہ سماج نے ایک لیکچر کا بھی اہتمام کیا جس میں اس نے اپنے مذہب کی تبدیلی کی وجوہات بیان کرتے ہوئے قرآن مجید پر ایک سو پندرہ اعتراضات کئے، جسے آریہ سماج نے مرتب کرکے ''ترک اسلام'' کے نام سے شائع کردیا۔ جب یہ کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی تو مسلمان بے چین ہوکر اٹھے اور ہر طرف سے اس کے جواب کا مطالبہ ہونے لگا۔ چنانچہ مولانا ثناءاللہ امرتسریؒ کا قلم حرکت میں آیا اور ''تُرکِ اسلام بر تَرکِ اسلام'' کے نام سے اس دل آزار کتاب کا خود ان کی مذہبی کتابوں سے ایسا دندان شکن جواب دیا کہ اس کے تمام اعتراضات کے تار وپود نہ صرف بکھیر کر رکھ دیے، بلکہ ایک سو پندرہ اعتراضات کے جواب میں اس پر ایک سو سولہ اعتراضات کئے، جس کا آج تک کوئی جواب نہ دے سکا۔

اصل مسئلہ تو وہیں کا وہیں رہا!

مولانا امیر حمزہ

''کوٹ رادھا کشن کے افسوس ناک سانحہ پر جناب مولانا امیر حمزہ حفظہ اللہ کا یہ مضمون روزنامہ دنیا اور ہفت روزہ الاعتصام لاہور کے شکریے کے ساتھ شائع کر رہے ہیں۔''

مسیحی برادری کے میاں بیوی کو جس طرح زندہ جلایا گیا اس پر محترم نذیر ناجی کے ان جملوں نے مجھے زار و قطار رُلا دیا کہ ''پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو مقدس اور برتر ہستیاں ہیں، ہم تو اس قابل بھی نہیں کہ علامہ اقبال اور قائداعظم کے نام اپنی زبان پر لائیں'' چنانچہ میں نے مذکورہ واقعہ کی ہر پہلو اور ہر مکتب فکر تک رسائی کر کے جو تحقیق کی ہے، اس کے مطابق کوٹ رادھا کشن کے قریب ایک مسیحی بستی ہے جس کا نام ''کلارک آباد'' ہے۔ کوئی سولہ سترہ سال پہلے یہاں سے ایک مسیحی خاندان اٹھا اور روزگار کی خاطر یوسف گجر کے بھٹے پر مقیم ہو گیا۔ یہ بھٹہ چک 59 سے ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے جب کہ مذکورہ چک کوٹ رادھا کشن سے چند کلومیٹر ہی دور ہے۔ بابا ناظر مسیح کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، وہ جادو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا کام کرتا تھا، اس نے اپنے ہاں قرآن مجید بھی رکھا ہوا تھا اور بائبل بھی۔ وہ تعویذ دیتا تو اس میں بائبل کے الفاظ بھی ہوتے اور قرآنی آیات کے بھی۔ مسلمان بھی اس سے تعویذ دھاگہ لیتے تھے۔ ناظر مسیح کے گھر میں اچانک ایک تبدیلی رونما ہوئی، اس کا بیٹا فیاض اور بہو مسلمان ہو گئے۔ بھٹہ مالک یوسف گجر اس ضمن میں تعاون کرتا رہا حالیہ محرم کے پہلے جمعہ کو بابا ناظر مسیح فوت ہو گیا۔ ناظر کا بیٹا شہزاد اور اس کی بیوی شمع بھی اسلام کی جانب مائل ہو چکے تھے۔ وہ ناظر کے دھندے کو اچھا نہ

جانتے تھے چنانچہ دونوں نے یہ کیا کہ ناظر بابا کے مرنے کے بعد اس کے فوٹو کاپی کیے ہوئے تعویذ اور کاغذ وغیرہ جلا دیے۔ شہزاد نے اس کا اظہار بھٹہ مالک یوسف گجر سے کیا اور کہا کہ ہم نے اس سارے عمل سے جان چھڑالی ہے اور مسلمان ہونے کے ارادے کا بھی اظہار کیا۔ یہاں بھٹہ پر مزدوری کرنے والے پانچ چھ گھر مسیح برادری کے ہیں۔ بابا اپنے چھوٹے بیٹے سجاد اور صائمہ کے پاس رہتا تھا۔ یہ سارے لوگ بھی بابا کے جادوٹونے کے کام کو اچھا نہ سمجھتے تھے۔ جب بابا کے تعویذ جلنے کی بات یوسف گجر نے سنی تو اس نے نصیحت کی کہ یہ بات آگے نہ کرنا، کوئی مسئلہ نہ بن جائے۔

یوسف گجر جب نصیحت کر رہا تھا تو اس کے پاس اس کے منشی افضل اور شکیل بھی بیٹھے تھے۔ شکیل منشی اور یوسف گجر آپس میں رشتہ دار بھی ہیں۔ دونوں منشی جب اپنے گاؤں ''چک 59'' آتے ہیں تو منشی افضل نے گاؤں کی ایک مسجد کے مولوی محمد حسین سے ملاقات کی ہے اور مذکورہ واقعہ بتایا ہے۔ اب مولوی محمد حسین مشتعل ہو گیا کہ ان لوگوں نے قرآن کے الفاظ کو بھی جلا دیا چنانچہ یہ دونوں اس بات کو پھیلاتے رہے اور دیگر مولویوں سے رابطہ کرنے لگے۔

ایک دن سکون سے گزر گیا مگر افواہیں پھیلتی چلی گئیں کہ مسیحیوں نے قرآن کو جلا دیا۔ اگلے دن صبح کی نماز کے بعد مولوی محمد حسین نے اور دیگر مساجد میں لاؤڈ سپیکروں پر اعلان ہوا اور لوگوں کو مذکورہ بھٹے کی طرف جانے کو کہا گیا۔ چنانچہ 700 کے قریب لوگ چک 59، 60، 65 اور دیگر چکوں سے اکٹھے ہو کر بھٹے کی طرف لاٹھیاں وغیرہ لے کر چل پڑے۔ لاؤڈ سپیکروں سے اعلان سن کر شہزاد اور شمع اپنے تین بچوں (چھ سالہ سلمان، چار سالہ بچی سونیا اور اٹھارہ ماہ کی بچی پونم) کو گھر چھوڑ کر خود یوسف گجر کے دفتر میں آ گئے۔ وہاں دفتر میں بند ہو کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ اتنے میں لوگ جمع ہو گئے اور انہوں نے کمرے کا گھیراؤ کر لیا لوگوں دروازہ کھولنے کے لئے کہا تو شہزاد اور شمع نے جواب دیا کہ ہم نے تو محض اپنے بابا کے تعویذ اور اوراق جلائے ہیں۔ ہمیں کچھ نہیں پتا۔ ہم تو اسے جادوٹونہ سمجھتے ہیں، اس لیے جلائے ہیں۔ ہم نے قرآن کے اوراق نہیں جلائے۔

مگر لوگ نہیں مانے۔ اب وہ کمرے کی چھت ادھیڑنے لگے ایک شخص نے اندر چھلانگ لگا دی اور شمع جو چار ماہ کی حاملہ تھی اس کے پیٹ پر لات ماری اور دروازہ کھول دیا اب لوگوں نے انہیں باہر نکال کر مارنا پیٹنا شروع کر دیا۔ ایک شخص نے شہزاد کی گردن پر بھالا مارا، وہ

بے ہوش ہو کر گر گیا، شمع بھی مار کھا کر گر گئی۔ پھر دونوں کرٹر یکٹر کے پیچھے باندھ دیا گیا، انھیں گھسیٹا گیا، ساتھ مار بھی پڑتی رہی۔ بھٹہ کی بھٹی جہنم زار ہوتی ہے، وہاں لا کر دونوں زندہ میاں بیوی کو اس میں پھینک دیا گیا۔ وہ کوئلہ بن گئے۔ اب یہ کالک بن کر پاکستان کے چہرے کو کالا کر رہی ہے، مسلمانانِ پاکستان کے چہرے کو سیاہ کر گئی ہے، اسلام کو بدنام کر گئی ہے اور کرتی چلی جا رہی ہے۔

مذکورہ اندوہ ناک واقعہ سے پہلے بھی متعدد واقعات ہو چکے ہیں کہ جن کی زد میں مسلمان آ چکے ہیں جلائے جا چکے ہیں اور پتھروں سے سنگسار کیے جا چکے ہیں۔ سب واقعات میں مشترک ایک ہی نکتہ ہے کہ مولویوں کے اعلانات جو مساجد میں لاؤڈ سپیکروں پر ہوئے، انہوں نے سانحات کو جنم دیا، حادثات کو رونما کیا۔ میں نے بڑا غور کیا کہ یہ مولوی کس کا وارث ہے؟ اگر یہ حضور رحمت للعالمین ﷺ کا وارث ہوتا تو ایسا کرنے کا سوچ بھی نہ سکتا۔ اس کے سامنے قرآن ہوتا تو قرآن کی سورت حجرات تو کہتی ہے کہ مسلمانو! جب کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جہالت کی وجہ سے اقدام کر بیٹھو اور پھر ندامت ہی ندامت کا منہ دیکھتے رہ جاؤ۔ جہالت کی انتہا کہ تحقیق تو درکنار، ہجوم لے کر پل پڑے، ملزم انکار کرتے رہے مگر ان کا انکار کچھ فائدہ نہ دے سکا۔ پھر خود ہی موقع پر سزا دی گئی اور سزا بھی ایسی کہ شدید اور سرعام تشدد کے بعد آگ کے الاؤ میں بھسم کر دیا گیا۔ ان کو اس قدر بھی خبر نہیں کہ حضور رحمت للعالمین ﷺ نے ایک سفر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ کو دیکھا کہ انہوں نے چونٹیوں کا بل اس وجہ سے جلا دیا کہ جس درخت کے نیچے وہ آرام کر رہے تھے وہاں چیونٹیوں کا بل تھا۔ وہ کاٹتی ہوں گی تو یہ کام کر دیا۔ حضور ﷺ نے جب دیکھا تو سخت ناراضی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: آگ کے ربّ کے سوا کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کو آگ کی سزا دے۔ (ابوداؤد)

پھر اللہ کے نبی ﷺ سے صحیح بخاری میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: نبیوں میں سے ایک نبی درخت کے نیچے آرام کو ٹھہرے، انھیں چیونٹی نے کاٹ لیا، انہوں نے حکم دیا کہ بل کو آگ لگا دی جائے۔ سارے بل کو ظاہر کیا گیا اور چیونٹیوں کو جلا ڈالا گیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے اپنے نبی سے کہا: صرف اسی چیونٹی ہی کو کیوں نہ مارا کہ جس نے کاٹا تھا، تم نے چیونٹیوں کی ساری قوم ہی مار ڈالی جو اللہ کی تسبیح کرتی تھی۔

ہاں ہاں! مولویوں کو میں کیا کہوں کہ تم نے آگ کا عذاب بھی دیا اللہ کے کام کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ظالمو! اس بچے کو بھی مار ڈالا جو ماں کے شکم میں آٹھ ماہ کا تھا..... بتلاؤ اس کا جرم کیا تھا؟ تم اس قدر جلد باز تھے کہ دنیا میں اس کے آنے کا انتظار بھی نہ کیا، کیا معلوم کہ اس کے ماں باپ جو اسلام کے ساتھ اپنائیت کا اظہار کر رہے تھے، ظاہراً مسلمان ہو جاتے اور مذکورہ بچہ کتنا بڑا اور عظیم مسلمان ہوتا؟

ہاں ہاں! اگر ایسا نہ بھی ہوتا تو تمہیں کیا حق تھا کہ ان کو مارتے جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے ذمی کہا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ان کی حفاظت کرنا اللہ کے ذمہ کو پورا کرنا ہے۔ آہ! تم لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی ضمانت کی دھجیاں اُڑا دیں، ضمانت کو برسرِ زمین روند ڈالا، ٹریکٹر کے پیچھے باندھ کر گھسیٹ ڈالا اور آگ میں کوئلہ بنا دیا۔ آہ! تم لوگ اپنے اس مذموم عمل سے جنت کی امیدیں باندھتے ہو، حالانکہ وہ رحمت عالم رسول ﷺ کہ جن کا پاک منبر جنت کے دروازے پر ہوگا اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی ذکر کردہ حدیث کے مطابق حضور ﷺ وہاں تشریف فرما ہو کر اہل جنت کو جنت میں جاتے دیکھیں گے، سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھلوائیں گے۔ وہ رماتے ہیں جس نے کسی ذمی کو قتل کر دیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا اور جنت کی خوشبو سو سال کی مسافت سے آئے گی۔

میاں شہباز شریف صاحب نے تین یتیم مسیحی بچوں کو زمین کے 10 ایکڑ اور 50 لاکھ روپے دینے کا اعلان کیا۔ میں کہتا ہوں یہ اچھا اور قابل تحسین اقدام ہے مگر اصل مسئلہ تو وہیں کا وہیں رہا۔ اگر ایسے رونما ہونے والے پہلے واقعات کے مجرموں کو سخت سزا دی جاتی، سرِعام لٹکایا جاتا تو یہ واقعہ نہ ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اب بھی کرنے کا کام یہ ہے کہ مجرموں کو سرِعام سزا دی جائے وگرنہ یہ واقعات رکنے نہ پائیں گے، تھمنے نہ پائیں گے۔ اور یوں ہر واقعہ کا اصل ذمہ دار وہ حکمران ہے جو سرزمین پاکستان پر قانون کا نفاذ ان لوگوں کے خلاف نہیں کرتا جو قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر قانون کی دھجیاں اڑاتے ہیں۔

پاکستان اور افغانستان کے قومی سلامتی کے تقاضے

جنرل مرزا اسلم بیگ
سابق چیف آف آرمی سٹاف پاکستان

افغانستان کے ساتھ معاملات طے کرتے وقت تاریخی اور جغرافیائی پس منظر کو مدّنظر رکھنا ضروری ہے۔ پاکستان خود ایک سندھ تہذیب کا گہوارا ہے اور اس کی سرحدیں چار بڑی تہذیبوں سے ملتی ہیں، یعنی بھارت، ایران، وسطی ایشیا اور چین کہ جس کے سبب پاکستان کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ لہٰذا افغانستان پر گفتگو کرتے ہوئے ان حقائق کو بھی سامنے رکھنا ہوگا کہ پاکستان اور افغانستان کی سلامتی کے تقاضے ایک دوسرے سے کس قدر منسلک ہیں، کیونکہ افغانستان درحقیقت ایشیا کے خطے کی تاریخ کی تبدیلی کا مرکز رہا ہے۔ آج بھی 13 سال کی جنگ کے بعد دنیا کی تمام بڑی طاقتوں کو تاریخی ناکامی کا سامنا ہے۔ دنیا کی سب سے زیادہ وسائل رکھنے والی دو سپر پاور کو اسی سرزمین پر شرمناک شکست کا منہ دیکھنا پڑا ہے۔ امریکہ کو اپنی عسکری اور اقتصادی قوت کا زعم ہے اور وہ سمجھتا ہے کہ اسی طاقت کے ذریعے وہ عالمی برتری قائم رکھ سکتا ہے۔ اس غلط فہمی سے جو فکر پیدا ہوئی ہے وہ نہ صرف امریکہ بلکہ پاکستانی حکومتوں پر بھی حاوی رہی ہے اور امریکی تجزیوں کو درست سمجھ کر ہماری حکومتیں غلط فیصلے کرتی رہی ہیں مثلاً 1980ء میں جنرل ضیاء الحق نے افغان جہاد میں امریکہ کا ساتھ دینے کا غلط فیصلہ کیا اور ہمیں بڑی مشکلات کا سامنا ہوا۔ 2001ء میں جنرل پرویز مشرف نے برادر اسلامی ملک افغانستان کے خلاف امریکہ کا ساتھ دینے کا بدترین فیصلہ کیا جس کے نتائج ہم آج تک بھگت رہے ہیں۔ اس لئے لازم ہے کہ ہم تاریخ

کے اوراق پلٹ کر دیکھیں کہ زمینی حقائق کیا ہیں اور وہ ہماری قومی زندگی پر کیا اثرات مرتب کرتے ہیں؟ افغانستان سے ہمارا تعلق کیا ہے اور ہماری تاریخ اور مسائل کس حد تک مشترک ہیں؟۔

پہلی حقیقت:

اقبالؒ نے افغان دشمنوں کو ابلیس کی زبانی پیغام دیا تھا کہ افغانیوں کو قابو کرنا ہے تو جان لو کہ:

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا　　روح محمد ﷺ اس کے بدن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج　　ملا کو اس کے کوہ ودمن سے نکال دو

پچھلے 35 سالوں سے افغانستان کے دشمن اسی مزموم کوشش میں لگے رہے ہیں۔ سوویت یونین، امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے بدترین ظلم و دہشت گردی کا مظاہرہ کیا لیکن اس کے باوجود افغانیوں کے عزم و استقلال میں نہ کوئی کمی آئی ہے نہ ہی ان کی غیرتِ دین متزلزل ہوئی ہے اور نہ ہی ان کو کوہ ودمن کے مسکنوں سے نکال سکے ہیں۔ آج ملا عمر کا یہ اعلان ہے کہ ''غیر ملکیو! تم ہار گئے ہو، یہاں سے نکلو اور ہم آزاد ہوں گے تو سب مل کر ایک اسلامی حکومت قائم کریں گے۔'' آج حقیقت یہ ہے کہ افغانستان کے 90 فیصد حصے پر طالبان کا تسلط ہے جہاں اسلامی قانون نافذ ہے۔ اس حقیقت کو ہم جھٹلانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور خود فریبی میں مبتلا ہیں۔

دوسری حقیقت:

صدیوں سے افغانستان کی جانب سے بے شمار حملہ آوروں نے برصغیر کی اس سرزمین پر حملے کئے ہیں جہاں آج پاکستان اور بھارت قائم ہیں۔ 42 حملے تو تاریخ میں موجود ہیں اس سے پہلے کتنے حملہ آور آئے اس کا حساب نہیں ہے۔ ''**یہ تاریخ کا دھارا ہے۔**'' انہی افغانیوں اور وسط ایشیا کے نوجوانوں نے ان حملہ آوروں کے خلاف یا تو جنگ کی یا جنگ میں شامل ہو کر برصغیر کو فتح کیا اور وہاں اپنی حکومتیں بنائیں اور صدیوں حکمرانی کرتے رہے۔ خود میرے آباء و اجداد ازبکستان کی وادی فرغانہ سے ظہیر الدین بابر کے ساتھ افغانستان آئے۔ افغانستان پر بابر نے سولہ سال حکومت کی اور پھر بھارت کا رخ کیا، اسے فتح کیا اور مغل خاندان کی ڈھائی سو سالہ حکمرانی کی

بنیاد رکھی۔شہنشاہ جہانگیر کے دور میں ہمارے بزرگ مرزا مسلم بیگ کو یک ہزاری کا رتبہ دے کر یوپی کے شہر اعظم گڑھ کے نزدیک آباد کیا جہاں آج بھی ہمارے خاندان کے لوگ موجود ہیں۔ افغان اور وسط ایشیا مدارس کے طالبان نے برصغیر پر حملے کے لیے آنے والے حملہ آوروں کی مدد کی اور اپنے سپاہی مہیا کیے۔ چاہے وہ احمد شاہ ابدالی ہو، غزنوی، غوری یا بابر ہوں، ان کے اکثر سپاہی اسی سرزمین سے آئے تھے۔ تاریخ کے اس دھارے کو نہ تو سلطنت برطانیہ روک سکی اور نہ ہی ڈیورنڈ لائن۔ یہی وجہ ہے کہ روسی اور امریکی جارحیت کے خلاف بھی انہی افغانیوں نے بند باندھا۔ جس کے نتیجے میں آج امریکہ افغانستان سے شکست کھا کر نکل رہا ہے لیکن اس میں سوویت یونین جیسا ظرف نہیں ہے کہ وہ اپنی شکست تسلیم کر لے۔ 1989ء میں سوویت یونین نے شکست تسلیم کر لی اور پاکستان کو پیغام دیا کہ ''ہم ہار گئے ہیں اور واپس جانا چاہتے ہیں۔'' اس وقت کے مجاہدین نے انھیں راستہ دے دیا لیکن امریکہ میں اتنا حوصلہ نہیں کہ وہ اپنی شکست مان لے اور افغانستان سے نکل جائے تاکہ وہاں امن کی راہوں کا تعین ہو سکے۔

تیسری حقیقت:

35 سالوں سے افغانستان کی آزادی کی جنگ جاری ہے۔ افغانی پہلے سوویت یونین کے خلاف لڑے پھر انہیں آپس میں لڑایا گیا اور ان کو کمزور سمجھ کر امریکہ آن دھمکا۔ لیکن انہی جنگوں کے سبب ''عالم اسلام کی مدافعتی قوت'' نے جنم لیا ہے جس کا مرکز یہی پختون قوم ہے جس کا 60% پاکستان میں ہے اور 40% افغانستان میں ہے، اور دونوں نے مل کر بیرونی جارحیت کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس ''پختون قوت'' کا پھیلاؤ کراچی سے لے کر کوہ ہندوکش تک ہے جس سے مغربی دنیا خائف ہے۔ اس حقیقت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ پاکستان اور افغانستان کی قومی سلامتی کے تقاضے مشترک ہیں۔ اس حقیقت کو قائداعظمؒ نے سمجھا تھا اور ان سرحدوں کی ذمہ داری انہی قبائلیوں کو سونپ دی تھی۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ افغانستان کا کوئی بھی حکمران ساٹھ فیصد پاکستانی پختونوں کی مرضی کے بغیر حکومت نہیں کر سکا ہے۔ جب بھی ان کی مرضی کے خلاف کابل میں کوئی حکومت بنی تو تصادم ہوا ہے۔ 1970's میں افغانستان میں ایسے حکمران مسلط کیے گئے جو پختونوں کی مرضی کے خلاف تھے اور جنگ ہوئی جو اب تک جاری ہے۔ یہ بات بھی یاد

رکھنی چاہیے کہ پاکستانی پختون اس حقیقت کا نام ہے جسے ''ناقابل تردید اکثریتی حقیقت'' (Tyrany of the majoriy) کہتے ہیں۔جس کا تقاضا ہے کہ دونوں ملکوں کی سلامتی کے معاملات کو ایک ہی نظر سے دیکھا جائے ،تو امن قائم رہے گا۔

چوتھی حقیقت:

افغانستان کے 90 فیصد علاقے پر طالبان کا تسلط ہے، جہاں انہی کا قانون نافذ ہے۔ اس سال کے آخر تک امریکہ افغانستان سے نکل جائے گا اور اس کی دس بارہ ہزار فوج صرف چند ائربیسوں پر رہے گی جہاں سے وہ اپنی فضائیہ کی مدد سے اپنا تسلط قائم رکھنا چاہتا ہے، جو ممکن نہیں ہے کیونکہ طالبان کے خلاف امریکہ نے اربوں ڈالر خرچ کر کے تین لاکھ افغانوں پر مشتمل فوج تیار کی ہے، لیکن اس فوج کی کارکردگی کے بارے میں افغانستان میں طالبان کے خلاف لڑنے والے امریکی کمانڈو جرنیل کا کہنا ہے کہ ''افغان نیشنل آرمی میں طالبان سے لڑنے کا حوصلہ نہیں ہے اور جب دباؤ پڑے گا تو یہ فوج خزاں کے پتوں کی طرح بکھر جائے گی۔'' اسی طرح جیسے عراق کی فوج پر دباؤ پڑا تو وہ بھی خزاں کے پتوں کی طرح بکھر گئی۔ یہی کچھ یہاں بھی ہونیوالا ہے اور امریکہ اپنی ناکامی کی اصل تصویر دیکھنے سے خوفزدہ ہے اور اپنی مرضی کی حکومت افغانستان میں قائم کی ہے تاکہ یہ حکومت اس کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ صدر اشرف غنی پاکستان آئے ،ان کا مقصد تھا کہ ان کی حکومت کو افغانستان کے طالبان اور پاکستان کی حمایت حاصل ہو۔لیکن یہ امریکہ کی بڑی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ یہ واضح ہو چکا ہے کہ اگلا سال افغانستان کی تاریخ کا اہم سال ہوگا اور کابل میں طالبان کی حکومت قائم ہوگی اور انتقال اقتدار طالبان کی مرضی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

پانچویں حقیقت:

آپریشن ضرب عضب، افغان صدر اشرف غنی کی آمد اور آرمی چیف کا امریکہ جانا بڑی اہمیت کے واقعات ہیں۔اگر سوچ وعمل کی ہم آہنگی ہو تو اچھے نتائج نکل سکتے ہیں۔ پاکستان میں ہونے والا آپریشن غیر ملکیوں اور اپنے ملک میں دہشت گردی کرنے والوں کے خلاف ہے۔ یقیناً بہت جلد ہماری فوج ان علاقوں کا کنٹرول حاصل کر لے گی اور وہاں امن وامان قائم ہوگا لیکن اس

حقیقت کو بھی جھٹلایا نہیں جاسکتا کہ پاک افغان سرحد پر ہماری ڈیڑھ لاکھ فوج لگی ہوئی ہے اور شمالی وزیرستان کے آپریشن میں مزید چالیس ہزار فوج مصروف ہے۔ بھارت کے خلاف ہماری فوج کی نفری ناکافی ہے جو ایک خطرناک صورت حال ہے جس سے بھارت کے حوصلے بڑھیں گے۔ اس پس منظر میں جنرل راحیل کو امریکیوں کو بتانا ضروری ہے کہ افغانستان میں 1990ء جیسی سازشیں اب کام نہیں آئیں گی جب امریکہ نے سازش کے تحت افغانیوں کو لڑایا تھا اور آٹھ سال تک خانہ جنگی ہوتی رہی۔ جن لوگوں نے سوویت یونین کے خلاف جنگ جیتی تھی ان کو اقتدار میں حصہ نہیں دیا گیا۔ اس لیے وقت کا تقاضا ہے کہ وہاں ایسی حکومت بنے جس پر فریقین کو اعتماد ہو۔ اس لئے سازشوں سے اجتناب کیا جائے اور ''قانون فطرت'' کے تقاضے پورے کیے جائیں یعنی ''دو متحارب قوتوں میں سے فتح یاب قوت ہی امن کی راہوں کا تعین کرے گی۔'' آج کی کامیاب قوت طالبان ہیں اور انہی کو حق پہنچتا ہے کہ حکومت بنانے میں انہیں شامل کیا جائے۔ تاریخ کے دھارے کا رخ موڑنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ لیکن تدبر اور فراست سے افغانستان میں وسیع البنیاد حکومت ضرور بن سکتی ہے جو تمام مسائل کا حل ہے۔

قانون فطرت کے خلاف عمل کرنے کے نتیجے میں آج مشرق وسطیٰ میں داعش جیسی قوت کا سامنا ہے کیونکہ عراق میں جنگ جیتنے والوں کو اقتدار میں کوئی حصہ نہیں ملا۔ آج وہی سنی اقلیت جو جنگ جیتے تھے' داعش کا ہراول دستہ ہیں اور پوری دنیا کے جہادی ان کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں' جس کے خلاف دنیا کی تمام قوتیں بے بس نظر آتی ہیں۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے اب افغانستان میں کسی غلطی کی گنجائش نہیں ہے ورنہ یہاں بھی داعش جیسے عناصر سر اٹھائیں گے اور آگے بڑھیں گے، ان کی روایت ہے کہ جب وہ دریائے سندھ عبور کر لیتے ہیں تو پانی پت پہنچ کے رکتے ہیں جہاں فیصلہ کن جنگ ہوتی ہے۔ ان حقائق کے تناظر میں افغانستان اور پاکستان کی سلامتی کے تقاضے نہ صرف مشترک نظر آتے ہیں بلکہ بھارت کی سلامتی کی ضمانت بھی ہیں۔ اس حقیقت کو بھارت اگر سمجھ لے تو وہ تمام سازشیں جو افغانستان کی سرزمین سے پچھلے دس سالوں سے پاکستان کے خلاف جاری ہیں بند ہو جائیں گی اور افغانستان میں خلوص نیت کے ساتھ امن کی تلاش آسان ہوگی۔

درسِ نظامی کیا ہے؟

(بشکریہ، ماہنامہ علم وآگہی فیصل آباد۔اگست 2014ء)

گذشتہ ماہ ''علم وآگہی'' پڑھنے والے ایک بھائی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے سوال کیا کہ ''مروّجہ سکول، کالجوں اور یونیورسٹی کی ڈگریوں کی طرح عالم دین بننے کے لئے درس نظامی کی ڈگری حاصل کی جاتی ہے۔ درس نظامی کب شروع ہوا اس کے متعلق وضاحت فرمادیں کیونکہ میں نے جس سے بھی پوچھا اس نے اس کے متعلق مختلف جواب دیا۔'' یہ مضمون اسی سوال کا جواب ہے۔ (ادارہ ماہنامہ علم وآگہی)

واقعتاً ہی درس نظامی کے بانی کے بابت مختلف روایات اور تاریخی حوالوں سے مختلف نام کتابوں میں موجود ہیں۔ کسی نے نظام الملک طوسی کی طرف منسوب کر رکھا ہے تو کسی نے نظام الدین اولیاء کی طرف اور کسی نے اس کے تانے بانے مدرسہ نظامیہ بغداد سے جوڑنے کی کوشش کی ہے۔ اہل مدارس کا حال اس سے بھی برا ہے۔ مختلف ذمہ داران سے معلوم کرنے کی کوشش میں پتہ چلا کہ وہ بھی بے ترتیب معلومات رکھتے ہیں۔ طویل جستجو وتحقیق کے بعد صحیح ترین معلومات دستیاب ہوئیں، جو نذرِ قارئین ہیں۔

مولانا نظام الدین انصاری سہالوی کا شمار برصغیر کے جلیل القدر علماء میں ہوتا ہے۔ وہ اقلیم ہند کے نامور فاضل اور مشہور صاحب علم وفن تھے۔ وہ پہلے عالم دین ہیں جنہوں نے بارھویں صدی ہجری میں برصغیر کے لئے پہلی دفعہ ایک خاص نصابِ تعلیم مرتب کیا اور پورے ملک کے اصحابِ فضل وکمال نے بلا کسی اختلاف کے اسے شرفِ قبولیت بخشا۔ آپ کے والد کا اسم گرامی ملا قطب الدین تھا

جولکھنؤ سے کم وبیش تیس میل کے فاصلے پر ایک گاؤں ''سہالی'' کے رہنے والے تھے۔

اصلاً یہ خاندان خالص عرب تھا اور اس کا تعلق رسول ﷺ کے صحابی سیّدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے تھا۔ مولانا نظام الدین کے والد گرامی مولانا قطب الدین جو برصغیر کے ممتاز علماء میں سے تھے 1040ء کے قریب سہالی میں پیدا ہوئے اور ہندوستان کے بلند مرتبت علماء سے مختلف علوم کی تحصیل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد تدریس وتصنیف کا شغل اختیار کیا اور پھر پوری زندگی اس عظیم مقصد کے لئے وقف کر دی۔ مغل بادشاہ اورنگزیب کا عہد حکومت تھا اور اس میں ملا قطب الدین کا شہرہ علم وفضل دور دور تک پھیل گیا تھا۔

فرنگی محل لکھنؤ میں سکونت

مولانا نظام الدین کے والد ملا قطب الدین دو خاندانوں کی لڑائی میں 1692ء میں شہید ہو گئے تھے۔ ملا قطب الدین کی شہادت کے وقت ان کے 4 بیٹے تھے۔ محمد اسعد، محمد سعید، نظام الدین اور محمد رضا۔ ان سب کا شمار اپنے زمانے میں شیوخ اور جید علماء میں ہوتا تھا۔

والد کی شہادت کے وقت یہ لوگ سہالی کی سکونت ترک کر کے لکھنؤ منتقل ہو گئے اور شہنشاہ اورنگزیب نے ان کو رہائش کے لئے فرنگی محل کی عمارت عطا کر دی، اس لئے بعد میں فرنگی محل کی نسبت ان کے نام کا حصہ بن گئی۔ والد کی شہادت کے وقت نظام الدین کی عمر 14 یا 15 سال تھی۔ شعور کی آنکھیں کھلیں تو گھر میں علم کا چرچا تھا اور مسند درس پر خود ان کے والد گرامی ملا قطب الدین متمکن تھے۔ ابتدائی درسی کتابیں انہی سے پڑھیں۔ تحصیل علم کے بعد مولانا نظام الدین اپنے والد کی مسند پر فائز ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کا آستانہ علم، معمورہ ہند کے علماء طلبا کا مرجع بن گیا۔

مولانا نظام الدین انصاری ابتدا ہی سے عمدہ عادات واطوار کے حامل، متوکل علی اللہ اور دنیا سے بے نیاز، بہت نیک اور پرہیزگار تھے۔ مولانا نظام الدین کی علمی شہرت چھوٹی عمر ہی میں علماء وطلبا کے حلقوں میں پھیل گئی تھی اور امراء وحکام کے درباروں میں پہنچ گئی تھی۔ اگر وہ چاہتے تو ہر قسم کا جاہ ومنصب حاصل کر سکتے تھے، لیکن اس طرف کبھی توجہ نہ کی اور دامن نفس کو دنیوی آلائشوں سے ہمیشہ محفوظ رکھا۔ متواتر دو دو تین تین دن کے فاقے ہوتے تھے اور وہ عالی مرتبت

عالم مستقل مزاجی سے برداشت کرتے تھے، امرائے مملکت اور ارباب دولت سے کوئی میل جول نہ رکھتے۔ اس کا اندازہ شیخ غلام مخدوم کے اس بیان سے ہوسکتا ہے کہ امرائے مملکت میں سے ایک صاحب ملاقات کے لئے آئے۔ ان کے پاس ادب سے میں نے چارپائی پر سے اترنا چاہا تو ملا صاحب نے فرمایا: ''اصحاب دولت کو دیکھ کر بدحواس کیوں ہوجاتے ہو؟ آرام سے لیٹے رہو۔''

انکسار اور تواضع

بلاشبہ وہ طبعاً بے نیاز تھے لیکن یہ بے نیازی ہر ایک کے لئے نہ تھی، صرف مغرور امرائے مملکت اور جاہ پسند ارباب دولت کے لیے تھی ورنہ مزاج میں انکسار، تواضع اور مسکنت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ اس سلسلے میں یہ واقعہ لائق مطالعہ ہے:

ایک مرتبہ ایک ایرانی، جس کا نام ابوالمعالی تھا، شیخ کا شہرہ علمی سن کر ملاقات کے لئے آیا، شیخ اپنے معمول کے مطابق سادگی سے درس گاہ میں چٹائی پر بیٹھے درس دے رہے تھے، نووارد کی نظروں کے سامنے ایرانی علماء کا جاہ وجلال گھوم رہا تھا، ان کی نگاہ التفات شیخ کی طرف نہ جاسکی، پوچھا: ''مولانا نظام الدین کہاں تشریف رکھتے ہیں؟'' فرمایا: ''مولانا کے بارے میں تو میں نہیں جانتا، البتہ نظام الدین میرا ہی نام ہے۔'' ایرانی وہیں بیٹھ گیا اور چند فہمی مسائل ان کے سامنے پیش کئے اور شیعہ اور اہلسنّت دونوں نقطہ ہائے نظر سے جواب طلب کیا، شیخ نے جواب دیا تو وہ ان کے اسلوب کلام اور وسعتِ علم سے بہت متاثر ہوا اور کہا کہ آپ کے متعلق جو کچھ سنا تھا اس سے کہیں زیادہ پایا۔

شیخ نظام الدین بہت سی کتابوں کے مصنف محشی اور شارح تھے۔ مولانا افضل امام خیرآبادی لکھتے ہیں: ''تصانیف بسیار در علوم حکمیہ واصول دارد۔'' یعنی اس عالم اجل نے علوم حکمیہ اور اصول میں بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

شیخ نظام الدین نے مسائل حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علم کلام، منطق وفلسفہ اور تذکرہ ورجال ہر موضوع سے متعلق کتابیں تصنیف کیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ ''رسالہ فی وضوء الرسول'' اس میں وضو کے بارے میں حدیث کی روشنی میں مسائل بیان کیے ہیں۔

2۔ ''شرح التحریر فی اصول الدین'' یہ کتاب فقہ کے بارے میں ہے۔اس شرح کو وہ مکمل نہ کر سکے، ان کی وفات کے بعد ان کے لائق بیٹے مولانا عبدالعلی فرنگی محلّی جو کثرت علم وفضل کی وجہ سے ''بحرالعلوم'' کے لقب سے معروف تھے، نے اس شرح کی تکمیل کی۔

3۔ شرح مسلم الثبوت'' یہ اصول فقہ کے موضوع سے متعلق ہے اور بہت اچھی شرح ہے۔

شیخ نظام الدین کا نصاب تعلیم اور اس کی خصوصیت:

شیخ نظام الدین کا مرتب کردہ نظام تعلیم جو درس نظامی کہلاتا ہے مختلف 11 علوم وفنون پر مشتمل ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

(1) تفسیر: جلالین، بیضاوی۔

(2) حدیث: مشکوٰۃ المصابیح۔

(3) فقہ: شرح وقایہ، ہدایہ اولین، ہدایہ آخرین۔

(4) اصول فقہ: نورالانور، توضیح وتلویح، مسلم الثبوت۔

(5) کلام: شرح عقائد نسفی، شرح عقائد جلالی، میرزاہد، شرح مواقف۔

(6) بلاغت: مختصر معانی، مطول تا بحث ما انا قلت۔

(7) فلسفہ: میبذی، صدرا، الشّمس البازغہ۔

(8) منطق: صغریٰ کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع منیر قطبی، سلم العلوم۔

(9) صرف: میزان الصرف، صرف میر، پنج گنج، زرادی، فصول اکبری، شافیہ۔

(10) نحو: نحو میر، شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی۔

(11) ریاضی: خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالہ اول، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمینی باب اول۔

شیخ نظام الدین کا یہ مرتبہ نصاب تعلیم (درس نظامی) بہت سی خصوصیات کا حامل ہے، جو مختصر طور پر درج ذیل ہیں:

1۔ اس میں سرزمین ہند کے متعلق علماء کی کتابیں شامل ہیں، جن میں بعض وہ حضرات بھی ہیں جو شیخ کے ہم عصر ہیں مثلاً ملا جیون (متوفی 9 ذی قعدہ 1130ھ) کی نورالانوار، قاضی محبّ

اللہ بہاری (متوفی 1119ھ) کی مسلم الثبوت اور سلم العلوم وغیرہ۔ ان کے زمانے سے قبل کے ہندی علماء کی کتابیں بھی داخل نصاب ہیں مثلاً سیّد علی اکبر آبادی (1090ھ) کی فصول اکبری، ملا محمود جون پوری (متوفی 9 ربیع الاول 1062ھ) کی الشّمس البازغہ وغیرہ۔

یہ وہ علمائے کرام ہیں جن کی کتابیں درسِ نظامی کے بہت سے حصے پر محیط ہیں اور شیخ نظام الدین نے اس نصاب کے ذریعے پوری علمی دنیا سے ان کو متعارف کرا دیا ہے۔ شیخ موصوف پہلے عالم ہیں، جنہوں نے ہندی فضلاء کی تصنیفات کو یہ اعزاز بخشا اور داخل نصاب کیا ورنہ اس سے قبل اقلیم ہند کے کسی عالم کی کوئی کتاب کسی زمانے کے مروّجہ نصابِ تعلیم میں داخل نہیں تھی۔ اس سے واضح ہوا کہ شیخ نظام الدین علماء کے قدردان تھے اور ان کا ذہن معاصرانہ کشائش سے پاک تھا۔

2۔ انہوں نے ہر فن کی مشکل کتابیں نصاب میں داخل کیں تاکہ طلباء کی ذہنی اور فکری کاوشوں میں تیزی آئے اور ان کے غور فکر کے پیمانوں میں وسعت پیدا ہو۔

3۔ دیگر علوم کی نسبت منطق اور فلسفے کی کتابیں زیادہ رکھیں اس لیے کہ اس دور کی علمی فضا کا تقاضا اور اہل علم کا رجحان یہ تھا کہ طلباء فنون میں خام نہ رہیں اور ان کی فنی قوت میں اضافہ ہو۔

4۔ علم حدیث کی صرف ایک کتاب رکھی یعنی ''مشکوٰۃ'' اس کی وجہ لوگ یہ بیان کرتے ہیں کہ اگر مشکوٰۃ کو اچھی طرح پڑھ لیا جائے تو باقی کتب احادیث کو مطالعے کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن خیال قرین صحت نہیں، بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ احادیث کی اُمہات الکتب کو استاد سے باقاعدہ پڑھنے کے علاوہ سمجھنا ممکن ہی نہیں۔ ہمارے خیال میں صرف ''مشکوٰۃ'' کو داخل نصاب کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس زمانے کے ہندوستان میں کتب احادیث کی زیادہ اشاعت نہیں ہوئی تھی۔ صرف وہی حضرات ان سے متعارف تھے جو حصولِ علم کے لئے ارضِ حجاز کا سفر اختیار کرتے تھے۔

5۔ اس نصاب میں ادب کا حصہ ناپید ہے جو اس کا کمزور پہلو ہے۔

6۔ اس نصاب تعلیم میں شیخ نظام الدین نے جس چیز کو خصوصیت کے پیش نظر رکھا وہ یہ تھی کہ طالب علم کی استعدادِ مطالعہ اس قدر مضبوط ہو جائے کہ وہ فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد ہر

مروّجہ فن کی کتابوں کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ اگر اس نصاب کی تمام کتابوں کو غور سے پڑھ لیا جائے تو علوم عربیہ کو فہم کی گرفت میں لانے میں زیادہ دِقت پیش نہیں آتی۔

7۔ یہ نصاب اس قدر مختصر ہے کہ طالب علم کو اس پر سالہا سال صرف نہیں کرنا پڑتے، بلکہ 17/18 سال کی عمر میں وہ درسی کتابوں سے فارغ ہوجاتا ہے، چنانچہ اس بات کی شہادتیں موجود ہیں کہ بہت سے طلباء اوائل جوانی ہی میں فارغ التحصیل ہوکر تدریس کی مسندوں پر فائز ہوگئے۔

8۔ اس نصاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس سے طلباء کے ذہن میں فقہی تعصب نہیں پیدا ہوتا۔

9۔ اس کی ترتیب میں اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے کہ معاصر علماء کی تصنیفات کو زیادہ سے زیادہ جگہ دی جائے تاکہ معاصرانہ چشمک کا مرض ختم ہونے میں مدد مل سکے۔

10۔ اس نصاب کی ترتیب کے سلسلے میں شیخ نظام الدین کی کسر نفسی اور تواضع ملاحظہ ہو کہ انہوں نے اپنی کوئی تصنیف نہیں رکھی۔ حالانکہ وہ اپنے عصر کے جلیل القدر عالم اور رفیع المرتبہ فاضل تھے۔ شیخ کی وفات کے بعد حالات کے مطابق اس نصاب تعلیم میں تبدیلی اور اضافے کا عمل جاری رہا لیکن بنیادی طور پر اس میں روح وہی کارفرما رہی اور وہ کتابیں بھی اس میں داخل رہیں جو اس کے اوّلین مرتب نے داخل کی تھیں۔

شیخ نظام الدین کے تلامذہ کا حلقہ بہت وسیع ہے۔ ان سے بے شمار لوگوں نے استفادہ کیا اور آج برصغیر میں مدارس دینیہ کی جو رونق دکھائی دیتی ہے وہ کسی نہ کسی صورت میں انہی کے پرتو فیض کا نتیجہ ہے۔ ان کی عظمت کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ برصغیر کا تمام تر سلسلہ درس انہی کے نام نامی سے منسوب ہے۔ جو ان کے دامن شاگردی سے منسلک ہوگیا، وہ اہل علم اور ارباب فضل میں ممتاز مقام پر فائز ہوگیا۔

آج مدارس دینیہ کے حلقوں میں جس طرح شیخ نظام الدین کا نام روشن ہے اسی طرح ان کے تلامذہ کا ذکر بھی پوری آب وتاب کا حامل ہے اور اپنی تدریسی اور تصنیفی خدمات کی بنا پر اس کا تذکرہ تعظیم وتکریم کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

مرض اور وفات: شیخ نظام الدین کو کئی سال مثانے کی پتھری کا مرض لاحق رہا لیکن ہمیشہ

تدریس وتصنیف میں مصروف رہے، کبھی علاج کی ضرورت محسوس نہ کی۔ جب عمر کا آخری دور آیا اور 70 برس سے آگے نکل گئے تو کمزوری اور ضعف نے ایسا گھیرا ڈالا کہ چارپائی پر لیٹ گئے۔ بالآخر چہارشنبہ کے روز 9 جمادی الاولی 1161ھ کو دوپہر کے وقت داعی اجل کو لبیک کہا۔

اولاد: شیخ نظام الدین کی 2 شادیاں ہوئیں۔ پہلی بیوی سے کوئی اولاد نہ تھی۔ قصبہ ستر کھ میں دوسری شادی کی، جس سے وہ گوہر شاہوار پیدا ہوا، جس نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور بے پناہ فضلیت علمی کی بنا پر اہل علم کے حلقوں میں ''بحر العلوم'' کے پرشکوہ لقب سے شہرت پائی۔ ان کا اصل نام عبدالعلی تھا۔ اس جلیل القدر عالم نے 12 رجب 1225ھ کو مدراس میں رحلت فرمائی۔

درس نظامی کا پس منظر ڈاکٹر محمود غازی رحمۃ اللہ علیہ

سوال یہ ہے کہ درس نظامی کا یہ نصاب ملا نظام الدین سہالوی مرحوم ومغفور نے کیوں اور کس مقصد کی خاطر مرتب کیا تھا؟ اس پر اگر ذہن صاف ہو اور تاریخی حقائق سامنے ہوں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ برصغیر میں سلطنت مغلیہ کے آخری دور میں، جس کو اب برصغیر کی اسلامی تاریخ کا دور زوال اور دور انحطاط بھی کہہ سکتے ہیں، ریاستی نظام چلانے، اسلامی عدالتوں کو قاضی، مفتی اور مقننہ فراہم کرنے کی خاطر یہ نصاب تیار کیا گیا تھا۔ یہ زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ابتدائی دور تھا۔ جب اٹھارھویں صدی میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے شاہ عالم سے دیوانی خرید لی تو کمپنی کے زیر انتظام صوبوں کے بارے میں یہ شرط رکھی گئی کہ وہاں کا نظام بدستور فقہ حنفی کے مطابق چلتا رہے گا۔ اس نظام کے لئے کمپنی کے کارپردازوں نے بھی اپنے اہتمام میں درس نظامی کے کئی ادارے قائم کیے۔ یہ سلسلہ 1857ء میں سلطنت مغلیہ کے مکمل اور حتمی سقوط تک جاری رہا۔ بہرحال اس کے بعد چونکہ یہی نصاب موجود تھا اور اسی نصاب کے تیار کردہ علماء دستیاب تھے، اس لئے جب دارالعلوم دیوبند اور دوسرے مدارس قائم ہوئے تو انہوں نے اسی نظام کو قابل عمل پایا اور اختیار کر لیا۔

ہم کہاں کھڑے ہیں؟

پاکستان سمیت مسلم ممالک میں سیاسی استحکام اور بیداری کی اشد ضرورت

ابوفیصل محمد منظور انور

امن امان کی بگڑتی ہوئی بدترین صورت حال اور دہشت گردی کے شکار اور تباہ حال معیشت کے حامل ملک پاکستان کے پارلیمنٹرین اپنی مراعات تو ضرور لیتے ہیں مگر قومی مفادات کی بجائے اپنے اپنے ذاتی و مالی مفادات اور اقتدار کے اسیر بن چکے ہیں حکمران آئین پاکستان اور نام نہاد جمہوریت کو بچانے کے نام پر جھوٹے نعرے دے کر ملک وقوم کے مفاد کو پس پشت ڈال کر اس سیاسی افراتفری کے دور میں صرف اور صرف اپنا اقتدار بچانے کی فکر میں ہیں حزب مخالف ان کی ہم نوا ہے تاکہ دونوں مل کر ملکی خزانے سے لوٹی گئی دولت ہضم کر سکیں ملکی تاریخ کا حالیہ طویل ترین پارلیمنٹ کا مشترکہ اجلاس اور وزیراعظم کی ہر اجلاس میں شرکت ملکی گیارہ سیاسی پارٹیوں کی طویل بحث وتمحیص نتیجہ صفر تمام سیاستدان ایک دوسرے کی کردار کشی کرنے اور نت نئے الزامات لگا کر ایک دوسرے کی ٹانگیں کھینچنے اور سیاسی مخالفین کو نیچا دکھانے کے لئے کوشاں نظر آئے ہیں پارلیمنٹ میں کثیر تعداد میں گونگے بہرے نمائندے موجود ہیں جو ملکی سنگین صورت حال پر اپنی رائے کا اظہار کرنے کی بجائے حکمرانوں کی جی حضوری اور صرف اپنی مراعات لینے آتے ہیں جنھوں نے کسی بھی اجلاس میں کبھی اپنا منہ نہیں کھولا البتہ اپنی اور اپنے رشتہ داروں کی گاڑیوں پر بڑے فخریہ انداز میں ایم این اے اور سینیٹر اور ایم پی اے کے نام کی نمبر پلیٹس لگا رکھی ہیں تاکہ سرکاری افسران اور عوام پر اپنا رعب و دبدبہ ظاہر کر سکیں اپنی اولادوں رشتہ داروں کو چمک دار

ملازمتیں دلوا کر مالی مفاد سمیٹ سکیں کروڑوں روپوں کے اخراجات سے منعقد ہونے والے حالیہ اجلاس قوم کو کچھ بھی نہ دے سکے البتہ طبقہ اشرافیہ کی منافقت ،ضد، ہٹ دھرمی اور ہوس زر کی وجہ سے قوم کا کثیر سرمایہ بے مقصد اجلاسوں کی نذر ہو گیا کچھ عرصہ پہلے منعقدہ ایک اسمبلی کے اجلاس میں اراکین کی طرف سے تنخواہوں اور مراعات میں اضافے کا بل ان نام نہاد عوامی نمائندوں کے منہ پر طمانچہ ہے تباہ کن سیلاب سے متاثر لاکھوں پاکستانیوں کی امداد کی بجائے اپنے کشکول پھیلانے والے عوامی نمائندوں کے روپ میں اصلی بھکاری ہیں ان میں سے اکثریت نے نمائندگی کی معطّلی کے بعد اپنے اثاثوں کے کاغذات جمع کروائے ہیں۔

ایک رپورٹ کے مطابق حکومت اسلامیہ جمہوریہ پاکستان عوام کے خون پسینے کی کمائی سے ایک ایم این اے پر ماہانہ خرچہ بشمول تنخواہ وغیرہ اوسطاً 4 سے 5 لاکھ روپے تک خرچ کرتی ہے جبکہ اسمبلی اجلاس میں شرکت کی صورت میں ڈیلی الاؤنس ملا کر اور زیادہ ہو جاتے ہیں علاوہ ازیں ہر رکن قومی اسمبلی کو 50000 یونٹ بجلی کے یونٹ فری ملتے ہیں اور لوکل فون کال 000 1,70 تک فری اس طرح ایک منتخب نمائندہ (ایم این اے) قومی خزانے سے 8 سے 10 لاکھ روپے کی مراعات لیتا ہے ایک محتاط اندازے کے مطابق 342 کے ایوان میں پانچ سالوں میں تقریباً 550 کروڑ روپے کے اخراجات آتے ہیں

Here are some surprising figures of Salary & Govt. Concessions for a Member of NATIONAL ASSEMBLY (MNA)

Monthly Salary : Rs. 120,000 to 200,000

Expense for Constitution per month : Rs.100,000

Office expenditure per month : Rs.140,000

Traveling concession (Rs. 8 per km) : Rs.48,000 (For a visit to ISLAMABAD & return: 6000 km)

Daily BETA during Assembly meets : Rs.500

Charge for 1 class (A/C) in train : Free (For any number of times) (All over Pakistan)

Charge for Business Class in flights : Free for 40 trips / year (With wife or P.A.)

Rent for Govt hostel any where: Free

Electricity costs at home : Free up to 50,000 units

Local phone call charge : Free up to 1,70,000 calls.

TOTAL expense for a MNA per year : Rs. 32,000,000

TOTAL expense for 5 years : Rs. 1,60,000,000

For 534 MNA, the expense for 5 years : Rs. 8,54,40,000,000

And they are elected by THE PEOPLE OF Pakistan, by the democratic process Of this world, not intruded into the assembly on their own or by any qualification This is how all our tax money is been swallowed and price hike on our regular commodities.....

Think of the great democracy we have.....

(http:\\baask.com\diwwan\indiaphp/topic=1205.0)

انقلاب لانے والے نئے سیاسی لیڈر اپنے حامیوں کے ہمراہ اسلام آباد میں احتجاجی دھرنے دینے کے ساتھ ساتھ ملک کے بڑے شہروں میں بڑے بڑے جلسے کر کے کروڑوں روپے لٹا کر چلتے بنے اور اب بیرون ملک جا کر اپنے مریدین سے صلاح مشورے کر کے اپنے انقلابی نعرے کی سوچ کے ایجنڈے کے ساتھ دوبارہ میدان میں اترنے کے لئے سرگرم ہیں نیا پاکستان بنانے والے ابھی تک دارالحکومت میں موجود ہیں اور ساتھ ساتھ ملک بھر میں طوفانی جلسے کر رہے ہیں یہ سیاسی چوہدری پاکستانی معیشت، طرز حکمرانی اور عوام کی قسمت بدلنے کے دعویدار ہیں جبکہ مقابل مقتدر قوتیں حکومتی طاقت کے بل بوتے پر ان کی سچی، صحیح باتیں اور الزامات سننے اور دلائل سے جواب دینے کی بجائے ہر الزام کا جواب انتہائی حد تک مسخرے پن اور جگت بازی کی شکل میں دے رہے ہیں حکومت نے اختلافات کا سیاسی حل تلاش کرنے کی بجائے معاملے کو طول دینے کی غرض سے تین چار وزراء کو باقاعدہ طور پر فرائض سونپ رکھے ہیں جو معاملات کو سلجھانے اور الزامات کے صحیح جواب دینے کی بجائے اخبارات اور مختلف چینلز کے ٹی وی ٹاک شوز میں بیٹھ کر

مقتدر شخصیات کے کرتوتوں کے دفاع کے لئے دن رات ایک کئے ہوئے ہیں افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اب ان ٹاک شوز میں ایک دوسرے کے خلاف گھٹیا بازاری زبان کے استعمال کے علاوہ مخالفین پر غیر اخلاقی الزامات لگانے میں پوری طرح آزاد نظر آتے ہیں عوامی مسائل جوں کے توں پڑے ہیں جبکہ گزشتہ تین ماہ سے زائد عرصے سے جاری احتجاجی دھرنے دنیا میں ہماری جگ ہنسائی کا باعث بن چکے نام نہاد سیاسی لیڈر اس نازک گھڑی میں بھی اپنی سیاست چمکانے کی فکر میں ہیں قوم مسائل کی دلدل میں پھنسی نفسیاتی مریض بن رہی ہے مگر بامقصد مذاکرات کی بجائے انھیں طول دے کر ڈنگ ٹپاؤ پالیسی کے تحت اقتدار سے چمٹنے رہنے کی پالیسی پر گامزن ہیں البتہ ان دھرنوں کے باعث پاکستان کے اقتدار پر قابض چند خاندانوں کی لوٹ مار کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں اور عوام میں سیاسی بیداری کی لہر سامنے آئی ہے مگر "STATUS QUO" کے حامی ایک بار پھر کامیاب ہوتے نظر آرہے ہیں کیونکہ ابھی تک اقتدار پر قابض زردار شریف ملزمان کسی بھی الزام کا اطمینان بخش جواب دینے سے قاصر نظر آئے ہیں جو بڑی ڈھٹائی کے ساتھ اپنی اصلاح کرنے کی بجائے ڈٹے ہوئے ہیں۔

حالیہ سیلاب کی تباہ کاریوں اور لاکھوں افراد کے متاثرہ ہونے کی قدرتی آزمائش کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے حضور معافی مانگنے اور کثرت سے استغفار کرنے کی بجائے ہم پرانی ڈگر پر چل رہے ہیں سیلاب زدہ علاقوں سے امدادی سامان کی غیر مستحقین افراد میں تقسیم اور اس موقع پر کھانے پینے کی اشیاء کی لوٹ مار کی اطلاعات سے دل خون کے آنسو روتا ہے ہم نے بحیثیت مجموعی قوم چند سال قبل آنے والے تباہ کن زلزے اور 2010ء کے سیلاب سے کوئی بھی سبق نہیں سیکھا اس مصیبت کی گھڑی میں بھی بددیانتی اور مال بناؤ کلچر میں اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔

عالمی اور ملکی صورت حال کو سامنے رکھ کر ہم غور کریں تو صاف پتہ چل جائے گا کہ ہم نے عملی طور پر قرآن مجید فرقان حمید کی تعلیمات اور ہدایات رسول اکرم ﷺ پر غور و فکر اور تدبر کو چھوڑ کر اسلامی طور طریقوں اور روایات کی نفی کر کے مغربی تہذیب اور طرز زندگی اپناتے ہوئے اپنے آپ کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا ہے جس کے نتیجے میں وقت ہماری گرفت سے تیزی سے نکل رہا ہے، ذِلت و خواری ہمارا مقدر بنتی جارہی ہے حالات ہمارے سامنے ہیں اسلام دشمن ہماری

بوٹیاں نوچنے کے درپے ہیں دنیا بھر میں مسلمانوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کر ان کا قتل عام کیا جارہا ہے جو بچ رہے ہیں انھیں ذلیل ورسوا کیا جارہا ہے مشرق وسطیٰ کے ممالک عراق، شام، لیبیا، تیونس، مصر، افغانستان اور دیگر کئی مسلم ممالک میں جاری خانہ جنگی داعش ایسے نامعلوم جہادی گروپ اور روزانہ سینکڑوں بے گناہ نہتے مسلمان مرد وخواتین معصوم بچوں کی اپنے گھروں سے بیدخلی اوران کا قتل عام ہماری آنکھیں کھولنے کے لئے کافی تھا مگر ہم ہیں کہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے بیٹھے اپنے مرنے کا انتظار کررہے ہیں مسلم حکمران اپنے قومی وملّی فرائض منصبی سے اغماز برت کر امت مسلمہ کی تباہی کا سماں پیدا کر چکے ہیں بنگلہ دیش اور مصر میں استعماری ایجنٹ حکمران قابل قدر بیسیوں محترم علماء کرام ایسی اہم شخصیات کو موت کی سزائیں دے دے کر اوران کے ہزاروں حامیوں کو قید وبند کی صعوبتیں دے دے کر اپنا حق نمک خوری ادا کررہے ہیں جبکہ کئی ایک اپنے اور خاندانی اقتدر کو طول دینے کی سازشوں میں مصروف 'ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم' کے مصداق خاموش تماشائی کا کردار ادا کررہے ہیں اُمت مسلمہ پر اس وقت کٹھن مرحلہ اور طویل دورانیہ کی غلامانہ اسیری کے مہیب سائے منڈلا رہے ہیں سیکولر سوچ کے تحت مسلم ممالک میں دین اسلام کو سیاست سے خارج کر کے نام نہاد مغربی جمہوریت میں انسانیت کی فلاح کو تلاش کرنے کا سفر جاری ہے نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

ع جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

جب سے جہادی تحریکوں نے اسلام دشمن قوتوں کو ناکوں چنے چبوائے ہیں اور امت مسلمہ میں بیداری کی لہر آئی ہے اور اسلامی دنیا کے ملکوں میں صدیوں سے جاری آمریت کیخلاف تحریکیں شروع ہوئی ہیں نتیجے میں کئی ممالک میں آمریت ختم ہو چکی ہے اسلام دشمن طاقتوں اور انکے آلہ کار مسلم ممالک کے حکمرانوں کی نیندیں حرام ہو چکی ہیں وہ سازشوں میں مصروف ہیں تاکہ ان کے اقتدار کو مزید مہلت مل سکے طاقت کے زور پر وہ پاکستان سمیت مصر لیبیا، الجزائر، مراکش، یوگنڈا، افغانستان، شام اور دیگر مسلم ممالک کو کمزور کرنے کے ایجنڈے پر چل رہے ہیں افسوسناک امر یہ ہے کہ انھیں مسلم دشمنی میں کسی اور کو ساتھ ملانے کی ضرورت ہی نہیں بلکہ انھیں اپنے وظیفہ خور مسلم ممالک کے اشرافیہ ومقتدر طبقات میں موجود میر جعفر اور میر صادق جیسے قبیل

کے ننگ دین و وطن غدار با آسانی مل جاتے ہیں جو چند روز اقتدار کی خاطر اپنے ملک وقوم سے غداری کر کے اپنا منہ کالا کرتے ہیں اور اپنے ملک اور اپنی قوم کو اندھیروں میں دھکیلنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے ان ہی عناصر کے باعث ان ممالک کی عوام غلامی سے بھی بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں مصر، لیبیا، یمن، الجزائر، سوڈان، شام، عراق، افغانستان، اور پاکستان سمیت دیگر کئی کمزور اور غریب ممالک میں حکومتیں بنانے اور گرانے اور آمریت کو تقویت دینے کے گھناؤنے کھیل کے پیچھے یہی اسلام دشمن قوتیں ہیں جو کسی بھی طور ان مسلم ممالک کو ترقی کرتا اور پھلتا پھولتا نہیں دیکھ سکتے یہی وجہ ہے کہ اگر اسرائیل ایٹم بم بنائے تو کسی کو کوئی خدشہ نہیں البتہ پاکستان بنالے تو اسے مسلم بم کا نام دے کر امریکہ سمیت پوری دنیا کے امن کے لئے خطرہ سمجھا جاتا ہے یہودیت کے زیر اثر یورپ اور امریکہ کے حکمران مختلف بہانے بنا کر ان مسلم ممالک کو کمزور سے کمزور تر کرنے کے کے ایجنڈے پر گامزن ہیں ان کے آلہ کار مسلم حکمرانوں کی ہوس اقتدار کے باعث اب تو کئی ملکوں میں خانہ جنگی ہو رہی ہے عراق، یمن، مصر، افغانستان، لیبیا، شام، اور دیگر کئی مسلم ملکوں میں پچھلے چند سالوں میں ایک ملین سے زائد بے گناہ افراد موت کے گھاٹ اتارے جا چکے ہیں اور اس سے زیادہ اپنے ملکوں اور اپنے گھروں سے نقل مکانی پر مجبور کر دئے گئے ہیں بد قسمتی سے مسلمانوں کی تباہی و بربادی میں موجودہ آمریت پسند مسلم حکمرانوں ہی کا ہاتھ صاف طور پر نظر آتا ہے جو اپنے اقتدار کو دوام بخشنے کے لئے ہزاروں لاکھوں بے گناہ مسلمانوں کی ظالمانہ طریقے سے نسل کشی کے ذمہ دار ہیں امت مسلمہ کی بیداری کے سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی تک منزل کوسوں دور نظر آتی ہے وقت کا تقاضا ہے ہے اپنی آئندہ نسلوں کو موجودہ حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کی بجائے انھیں انقلابی سوچ کا درس دیں امت مسلمہ کا ہر فرد اپنے حصے کا کام مرنے سے پہلے کر کے جائے وگرنہ اغیار کے جوتے حسب سابق ہمارے سروں پر پہلے کی طرح پڑتے رہیں گے ہمیں اپنا سر ریت میں دے کر خاموشی اختیار کرنے کی پالیسی چھوڑ کر اسلام دشمن قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہونے کی تیاری کرنا ہوگی

ع وگرنہ تمہاری داستان تک نہ ہوگی داستانوں میں

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

کی مطبوعات پر

اہل علم کے تأثرات

خصوصی اشاعت: جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش

1۔عبدالرشید ارشد۔ جوہر آباد

ماہنامہ ''حکمت بالغہ'' اسلامی تناظر میں مختلف موضوعات پر خصوصی اشاعتوں کے حوالے سے منفرد مقام کا حامل جریدہ ہے۔قرآن اکیڈمی جھنگ کے روحِ رواں انجینئر مختار فاروقی صاحب حکمت بالغہ کے علاوہ وقت کے اہم ترین موضوعات پر تحقیقی کام بتدریج آگے بڑھا رہے ہیں۔حکمت بالغہ ہو یا قرآن اکیڈمی کی کتب معیار کے ساتھ ساتھ حسن طباعت میں بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ بلاشبہ کتب وجرائد کے ہاتھ میں آتے پڑھے بغیر رکھنے پر دل آمادہ نہیں ہوتا۔

حکمت بالغہ کا نومبر 2014ء کا شمارہ، جو''جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' پر تحقیقی مقالے کی حیثیت رکھتا ہے میرے سامنے ہے۔محترم جناب مختار فاروقی صاحب نے ''حرفِ آرزو'' کے تحت چشم کشا سوالات سوچنے والوں کے سامنے رکھے ہیں مثلاً یہ کہ''اس تحریر اور خصوصی اشاعت کا اصلاً مقصد چونکہ 'ہندو' یا 'ہندوازم' کی تحقیق وجستجو نہیں بلکہ صرف جنوبی ایشیا کے قدیم باشندے اور ان کے مذہبی رویّے ہیں جو مجموعی طور پر سامنے ہیں ان کو بطور اصل موضوعہ تسلیم کرتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کی جنوبی ایشیا میں آمد، پھیلاؤ اور بالآخر ایک علیحدہ تشخص کے ساتھ سات آٹھ صدیوں تک حکومت کرنے کے رویّوں اور عمل وردّعمل کا جائزہ لینا ہے کہ اس کی بنیادیں کیا ہیں؟.....''اس فکر نے اس چبھتے ہوئے سوال کو جنم دیا ہے کہ:

''کیا بھارت UNO کا ممبر نہیں ہے کہ جس کے چارٹر کے مطابق ہر شخص کو مذہب کی آزادی ہے۔ کیا بھارت سیکولر اور جمہوری ملک ہونے کا دعویدار نہیں؟ پھر مسلمانوں پر مظالم کیوں؟ مسلم اقلیت کو ان کے حقوق نہ دینے کی وجہ کیا ہے؟ جبکہ یہی اقلیت 15 راگست 1947ء تک ان کی محسن تھی۔ مسلمانوں کی نسل کشی کی کوئی معقول وجہ سوائے پہلے سے طے شدہ کسی منصوبہ اور ہندو کے اجتماعی 'نصب العین' سے متصادم ہونے کے علاوہ اور کوئی وجہ سامنے نہیں آتی۔'' (صفحہ 9)

ان سوالات کا معقول جواب دینے پر کوئی سیاسی راہنما یا دانشور تیار نہیں ہے بلکہ ہر کوئی قوم کو اُلجھائے رکھنے والے بیانات کا سہارا لیتا ہے اور ایسے ہی رویوں کے سبب آج تک ہم باوقار مسلمان قوم ہونے کے حقیقی اعزاز سے محروم بھی ہیں۔ تجزیاتی کام کو آگے بڑھاتے مدیر محترم نے ہندو کی مسلم دشمنی کا حقیقی سبب تلاش کیا جو قارئین کے سامنے ان الفاظ میں پیش کیا:

''اسرائیل کے بھارت سے قریبی فوجی تعلقات ہیں۔ جنگی ساز و سامان، جنگی الیکٹرونکس، اسلحہ، ہیلی کاپٹر وغیرہ شامل ہیں۔ بھارتی افسران کی اسرائیل میں تربیت کا اہتمام بھی کیا گیا ہے.....'' (صفحہ 62)

''عالمی صہیونی تحریک کو اس خطرے سے غافل نہیں ہونا چاہئے جو اسے پاکستان سے لاحق ہے..... یہ نظریاتی مملکت ہمارے وجود کے لئے خطرہ ہے۔ اب پاکستان ہی ہمارا پہلا ہدف ہونا چاہئے..... چنانچہ پاکستان کے خلاف کام کرنے کے لئے ہندوستان ہی ہمارے لئے موزوں کمین گاہ ہے.....'' (صفحہ 59)

ہندو کی مسلمان سے ازلی دشمنی کو یہود نے اپنے بغض کی تسکین کا ذریعہ بنایا تو پہلے 1971ء میں مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش میں بدلا تو اس کے بعد یہودی قوم کے ایما پر ان کے سرپرست اعلیٰ بلکہ غلام امریکہ کے ذریعے جعلی طالبان سامنے لا کر پاک فوج کو قبائل سے الجھا دیا۔

ہندو تہذیب و ثقافت، اقدار کا تجزیہ کرتے فاضل مدیر اعلیٰ نے کمزور طبقات اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں سے ان کے رویہ پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ تجزیہ قابل قدر اور قابل توجہ ہے۔ ہم یہاں اختصار سے چند سطور میں ذکر کریں گے۔

''دنیا کے مہذب معاشروں میں آج نہیں جب سے تاریخ معلوم ہے اس وقت سے تکریم اور مساوات انسانی ایک مثبت قدر سمجھی جاتی ہیں اور انسانوں کو کالا، گورا، انسان سمجھ کر اعلیٰ وادنیٰ یا اچھے برے کا لیبل لگا دینا تذلیل وتوہین سمجھا گیا ہے۔

مگر کیا کیا جائے جین مت کے دور سے 1500 قبل مسیح کے لگ بھگ سے ہندو قوم نے ذات پات کی تقسیم کی بنیاد ڈالی اور معاشرے کے مستقلاً برہمن (مذہبی پیشوا اور اشرافیہ) کھشتری (جنگجو اور اہل علم) ویش (تاجر و دکاندار) اور شودر (کمتر لوگ) اور بعض علاقوں میں 'دلت' (خاکروب) پیشہ انسانوں کو شودروں کا بھی سب سے نچلا لیول قرار دیا'' (صفحہ 85)

مسلمانوں کے ساتھ ہندوؤں کے رویوں کا تجزیہ کیا ہے تو یہ ہمہ پہلو قابل قدر اور قابل توجہ ہے مثلاً:

''رویے ہی انسان کے نظریات کا پتہ دیتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ FACE IS AN INDEX OF MIND اسی طرح انسانی رویئے ہی دماغ انسانی میں موجزن خیالات کی لہروں کی شدت کا پتہ دیتے ہیں۔

ہندو کا اصولی طور پر مسلمانوں سے رویہ شودروں جیسا ہے۔ سیاسی طور پر مفادات حاصل کرنے کے لیے یا امریکہ اور G8 (برطانیہ) سے کوئی امداد لینے کے لئے کسی فوٹو سیشن کی ضرورت ہو تو ہندو مقتدر ذہن کوئی اور رویہ اپنا لے تو یہ الگ بات ہے مگر درحقیقت ہندو ذہن کی سوچ اور ہندو ذہن کا اندرونی (IMPRINT) یہی ہے.....''

(صفحہ 88)

برطانوی غلامی سے آزادی کی تحریک میں ہندو مسلم کردار پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ نئی نسل کی راہنمائی بالخصوص قابل توجہ باب ہے کہ تحریک پاکستان کن مراحل سے کن مشکلات سے گزرتے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تشکیل کی منزل پا سکی:

''آزادی کی تحریک میں مسلمانوں نے اس لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کہ مسلمان کا ایک زندہ نظریہ تھا یہ نظریہ حقیقتاً ہندو کے مقابلے میں کیا مغربی صہیونی نظریات کے

مقابلے میں بھی زیادہ جاندار تھا، انسانی نفسیات سے بھی قریب تھا..... یہ کلام اقبال کا اثر تھا کہ تحریک آزادی کے نتیجے میں 1947ء میں انگریز کو بھارت تقسیم کر کے جانا پڑا۔ انگریز کبھی یہ نہ چاہتا تھا.....'' (صفحہ 35-134)

اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے مستقبل کی امین نسل تک تاریخی حقائق پہنچانے والے اس قلم کو سلامت رکھے اور اس محنت کو محشر کا سرمایہ بنا دے۔ یہ چراغ جلتا رہے اور اس کی روشنی ملک کا ہر کونہ منور رکھے۔ آمین یارب العالمین۔

2۔ فضل اللہ مہیسر صدر تنظیم فکر ونظر سندھ، سندھ اسلامک سنٹر، سکھر

گزارش ہے کہ خصوصی اشاعت ''ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' پڑھنے کے لئے کہیں سے حاصل ہوئی اور مطالعہ نصیب ہوا، بہت بڑی کاوش ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ دراصل یہ دوقومی نظریہ کا ایک علمی ثبوت ہے جس کی اس زمانے میں بھی خصوصی ضرورت ہے۔ آج کے مسلمان اس حقیقت سے ناآشنا ہوتے جارہے ہیں۔ تنظیم فکر ونظر سندھ بھی ایک اسلامی نظریاتی اور علمی تنظیم ہے جو کہ سندھ میں سندھ کے اسلامی تشخص کی بحالی میں کوشاں ہے۔ افسوس یہ ہے کہ یہاں چند قوم پرست دین وملت دشمن عناصر محمد بن قاسم کے بجائے اب بھی راجہ داہر کو ہیرو مانتے ہیں اور اب تو داہر کی برسی بھی کھلم کھلا منارہے ہیں۔ اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے بھی عملی طور پر مصروف عمل ہیں۔ آپ کی یہ خصوصی اشاعت بھی اس نظریاتی عمل میں کم نہیں بہت پسند آئی۔ بلکہ ہم آپ سے یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ آپ اس کی اشاعت سندھی زبان میں بھی کروائیں ترجمہ ہم کروا کے دیں گے۔

آخر میں ایک تصحیح کی بھی درخواست ہے کہ صفحہ نمبر 113 پر سطر نمبر 6 پر محمد بن قاسم کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے لکھا ہے: ''پہلے سندھ میں منصورہ (سکھر کے پاس) اور بعد ازاں ملتان کو دارالحکومت بنایا'' یہ سکھر والا شہر منصورہ نہیں بلکہ ''اروڑ'' ہے جس کو عرب کے تاریخ دانوں نے ''الور'' کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ جبکہ منصورہ اور بیرون کوٹ حیدرآباد کی طرف ہے۔

اروڑ میں محمد بن قاسم کی بنائی مسجد محمد بن قاسم کے کھنڈرات ابھی بھی موجود ہیں اور

آثارقدیم کے طور پر محفوظ ہیں وہاں پر تنظیم فکر ونظر سندھ نے تقریباً 40 سال سے اس کو دوبارہ کھولا ہے اور وہاں اب باقاعدگی کے ساتھ اذان نماز اور خطبہ وقرآن کی تعلیم ہوتی ہے، اس کے تمام اخراجات تنظیم فکر ونظر سندھ ادا کرتی ہے۔ یہ وہی شہر ہے جہاں محمد بن قاسم نے ایشیا اور برصغیر میں پہلا مسلم دارالخلافہ قائم کیا اور آج تک داہر راج کا خاتمہ کر دیا۔ تاہم اس مسجد کی شایانِ شان تعمیر نو اب بھی ہم مسلمانوں پر فرض بھی ہے اور قرض بھی۔ ہم نے مرحوم جنرل محمد ضیاء الحق کو اس طرف توجہ دلائی تھی انہوں نے ص کیا تھا اس ضمن میں انہوں نے مسجد کی تعمیر کے لئے 13 ایکڑ زمین بھی مسجد کے لئے مختص کر کے ہمیں گرانٹ کر کے دی تھی۔ افسوس کہ بعد میں حیات نے ان کا ساتھ نہ دیا تو یہ منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ کوئی سبیل نکالے تاکہ اس پہلے مسلم دارالخلافہ کی مسجد کی تعمیر نو ہو سکے۔

3۔ **عبدالخالق بلوچ**، ایوان علم وادب پاکستان، کندھ کوٹ سندھ

21 اسلامی انقلابی شخصیات، تعمیر سیرت وکردار موصول ہونے کے بعد حکمت بالغہ کا تازہ شمارہ بھی موصول ہو گیا ہے۔ آپ کی علمی کاوشیں قابل تحسین ہیں اور حالات حاضرہ کے تناظر میں مفید بھی۔ سندھ کے حالات پنجاب سے شاید کچھ مختلف ہیں، یہاں پر انسان دوستی، روشن خیالی کے نام پر سیکولر تحریک نہایت منظّم طور پر کام کر رہی ہے۔ لادینیت اور اباحیت کا یہ طوفان نوجوان مسلمان طبقہ خصوصاً طلبہ جامعات کو سخت متأثر کر رہا ہے۔ جو کچھ شرقی پاکستان کی جامعات میں ہوتا تھا وہی کچھ یہاں ہو رہا ہے۔ اس مسئلہ پر خصوصی توجہ کی ضرورت ہے۔......

4۔ **ابوفیصل محمد منظور انور**، جھنگ

حکمت بالغہ کی خصوصی اشاعت بعنوان ''جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش'' میں مصنف انجینئر مختار حسین فاروقی نے جو ریفرنس پیش کیے ہیں وہ حقیقت پر مبنی ہیں۔ مختلف مؤرخین کی تاریخ نگاری سے ہی ہندو ذہنیت کا پردہ چاک ہوتا ہے۔ معروف محققین ومصنّفین جناب شفق ہاشمی، شمس نوید عثمانی، حسن محمود اور پروفیسر محمد منور صاحب کی تصانیف سے جو علمی حقائق لیے گئے ہیں اس میں بھی ہندو مسلم کش مکش کا سلسلہ صدیوں پر محیط نظر آتا ہے حضرت نوح علیہ السلام

کے دور سے ہی بت پرستی کا سلسلہ شروع ہوا تھا حضرت آدم علیہ السلام کے سری لنکا میں پاؤں کے نشانات اور حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برصغیر پاک و ہند کے خطے میں موجودگی کی نشاندہی کے باوجود باطل پرست ہندو ذہنیت اصلیت جان کر بھی دانستہ حق کو پہچاننے سے انکاری ہیں ایک ہزار سالہ تاریخ ہند میں بھی ہندو مسلم کش مکش عیاں ہے اس خطے میں ہندو مسلم کشاکش کی تاریخ چار صدیوں پر محیط ہے معروف مسلم سکالرز شیخ احمد سرہندیؒ، شیخ عبدالحقؒ محدث دہلوی، اورنگیزیب عالمگیرؒ، شاہ ولی اللہؒ، حضرت شیخ محمود حسنؒ اور علامہ اقبالؒ جیسے مفکرین اسلام کی جدوجہد سے ہی دوقومی نظریہ پروان چڑھا اور اسے اوّلیت ملی۔ مغلیہ دور میں شہنشاہ اکبر اعظم کے دین الٰہی میں ہندوؤں کی سازش شامل تھی۔

مصنف نے جس طرح یہود و ہنود کی سازشوں سے زیر نظر کتاب میں پردہ اٹھایا ہے اس سے مسلم معاشرے میں موجودہ سیکولر ذہنیت کے لیے پیغام ہے جواب بھی ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگا کر دوقومی نظریے کی نفی کرتے ہیں۔ ان تاریخی حقائق سے ایک بات ثابت ہو چکی ہے کہ بت پرست باطل قوتیں یہود و نصاریٰ کی اشیر باد اور اپنی تمام تر مکاریوں، عیاریوں، سازشوں اور کوششوں کے باوجود اس خطے کے توحید پرست مسلمانوں کے نظریات و عقائد کو ختم نہیں کر سکے۔ مصنف کا یہ کہنا کہ مشرق وسطیٰ میں بڑی تباہی والی جنگ کے بعد نفاذِ اسلام ہوگا اسی طرح ہند کے خلاف بھی ایک جنگ کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کامیابی کی نوید سنائی گئی ہے جس کے نتیجہ میں بھارت کے مخلص مذہبی طبقے اسلام قبول کر لیں گے۔ مصنف نے جس طرح باطل پرست ہندو کی عیاری، مکاری اور منافقت کا پردہ چاک کیا ہے اس سے بھی دوقومی نظریے کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

5۔ میاں محمد صادق قصوری، مجاہد ملت فاؤنڈیشن، ضلع قصور

حکمت بالغہ کا شمارہ خصوصی نمبر 2014ء (جنوبی ایشیا میں ہندو مسلم نظریاتی کشاکش) پیش نظر ہے۔ آپ نے جس محنت، تن دہی اور مہارت سے یہ شمارہ ترتیب دیا ہے، نہایت ہی قابل ستائش ہے۔ اللہ عزوجل آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ میں روبصحت نہیں ہوں ورنہ چند لائنیں اور بھی عرض کر دیتا۔ خداوند کریم آپ کو مزید مفید کام کرنے کی توفیق

دے۔میری صحت کے لیے دعا کریں۔

صہیونیت،قرآن مجید کے آئینے میں

پروفیسر خالد شبیر احمد،سینئر نائب صدر مجلس احرارِ اسلام پاکستان

یہ کتاب جناب انجینئر مختار فاروقی صاحب کے قلم کا شاہکار ہے، پڑھی اور دل میں ان کیلئے دعا لبوں تک آ گئی،طبیعت خوش اور روح مسرور ہوگئی کہ اس دور میں بھی ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں قدرت نے دین کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے۔یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وکرم ہے۔

کتاب کو چار بنیادی ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے:

1۔ صہیونیت کے خدوخال، 2۔ صہیونیت 600 ق م سے 610 ق م،

3۔ صہیونیت اور قتل انبیاء علیہم السلام، 4۔ صہیونیت کا منطقی انجام

پھر ہر باب کو کئی ذیلی حصوں میں تقسیم کر کے قاری کو کتاب کے مفہوم اور اس کے اصل مقاصد سے آشنا کرنے کی کوشش میں فاضل مصنف ہر طرح سے کامیاب رہے ہیں۔مشکل موضوع کو آسان کر کے کتاب کے اندر ایسی دلچسپی پیدا کی گئی ہے کہ قاری کے ذوق وشوق پر کتاب گراں نہیں گزرتی اور یہی بات ایک کامیاب مصنف کی اہلیت اور قابلیت کو اُجاگر کرتی ہے۔

کتاب پڑھنے کے بعد یہ تأثر شدّت کے ساتھ ذہن پر ابھرتا ہے کہ یہود اسلام اور اہل اسلام کے ازالی وابدی دشمن ہیں جتنا نقصان اہل یہود نے اہل اسلام کو پہنچایا ہے اس میدان میں کوئی دوسرا اُن کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔روپے کی فراوانی اور سازشی ذہن رکھنے میں یہود اپنا ثانی نہیں رکھتے اور ان ہی دو ہتھیاروں کی بدولت اہل یہود کی اسلام دشمنی سے تاریخ بھری پڑی ہے۔

جدید دور میں ایسی ایجادات بھی اسی اسلام دشمن گروہ کا ہی کام ہے جس سے اسلامی تہذیب وتمدن پر ایسا حملہ کیا گیا ہے کہ مسلمانوں کے لیے اس کا مقابلہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

چنانچہ کتاب کے صفحہ 95 پر فاضل مصنف اس طرح تحریر کرتے ہیں:

حضرت آدم علیہ السلام کے مقابلے میں جو مقام ابلیس کو ملا وہی کام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں حسد کی بنیاد پر یہود نے کر دکھایا اور ابلیس کی طرح دھتکارے گئے اور آج بھی انسانیت اور نسل انسانی کے حوالے سے یہی ابلیس کی ذُرّیت صلبی و معنوی انسان کو ترقی، آرٹ فن، کھیل کود، تفریح (ENTERTAINMENT) کے نام سے بے لباس کرنے پر تلی ہوئی ہے اور بہت حد تک کامیاب ہے۔ چنانچہ آج کا میڈیا، کیبل نیٹ ورک، کمپیوٹر وغیرہ پر مغرب کی ترقی پسندی کے حوالے سے بے حیائی کا سیلاب ہے جو دنیا بھر کے انسانوں کو بالعموم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کو بالخصوص اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور یہ عالم اسباب میں صرف یہود یعنی صہیونیت کی کارستانی ہے۔ (ص 95)

قرآن وحدیث اور تاریخ کے ساتھ ساتھ ایسے تبصرے آپ کو کئی جگہوں پر اس کتاب میں مل جاتے ہیں جس سے فاضل مصنف کی علمی قابلیت کے علاوہ دنیا کے اندر رونما ہونے والے اسلام دشمن حقائق پر بھی ان کی گہری نظر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جو اس وقت اُمت مسلمہ کے تہذیبی اور اخلاقی خدوخال کو مجروح کرنے میں ایک بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔

'میثاقِ مدینہ' کا پورا متن کتاب میں موجود ہے اور اس میثاق سے یہودیوں کا انحراف اور غزوۂ خندق کے موقع پر جس محنت کے ساتھ یہودیوں نے تمام قبائل کو اکٹھا کر کے مدینہ منورہ پر حملہ کرایا گیا یہ سب پہلی دفعہ میری نظر سے گزرا ہے۔

کتاب کے صفحہ 179 پر اعلان ختم نبوت اور صہیونیت کے عنوان کے تحت کچھ آپ نے تحریر کیا۔ اس سے خاص طور پر متاثر ہوا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جس جس نے دعویٰ نبوت کیا، اس کے پیچھے یہودیوں کے دین اسلام کے خلاف سازشی حکمت عملی کام کر رہی تھی اور اس میں مزید اضافہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ مرزائے قادیان نے جو انتہائی قابل اعتراض تحریریں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مریم سلام علیہا کے بارے میں لکھی ہیں وہ سب یہودیوں کی ہی کتابوں سے لی گئی ہیں اور قادیانی حضرات جو کچھ پاکستان کو نقصان پہنچانے کے لیے زیر زمین سرگرمیوں میں مصروف

ہیں اس کے پیچھے بھی یہودی ریاست اسرائیل کا ہی ہاتھ ہے عین ممکن ہے کہ پاکستان کی موجودہ سیاسی صورت حال کے پیچھے بھی اسرائیل کا ہی ہاتھ ہو۔ جس کا وسیلہ و ذریعہ پاکستان کے قادیانی ہیں۔ بہر حال موجودہ دور میں ایسے لٹریچر کی اشد ضرورت۔ خاص طور پر جبکہ ہمارا ملک دین اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آیا اور اس وقت قادیانیوں کے ذریعے اسرائیل کی سازشوں کی زد پر ہے۔

مولانا ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم کی کتاب ''یہودیت'' کے بعد یہ کتاب جو زیر تبصرہ ہے ہزاروں سال پر مشتمل تاریخ قرآن کے حوالے سے ایک اہم دستاویز ہے جس کی اشاعت پر فاضل مصنف کو سجدہ شکر ادا کرنا چاہئے جس نے ایسی اہم کتاب لکھنے کی انہیں توفیق عطا فرمائی ہے۔

ہر لحاظ سے یہ کتاب انوکھی، منفرد، مبسوط اور مضبوط کتاب ہے، جس پر سر جناب انجینئر مختار فاروقی کو دلی مبارک پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ انہیں دین کی خدمت کرنے کی مزید ہمت اور حوصلہ عطا فرمائے۔ ''این دعا از من واز جملہ جہاں امین باد''

تعمیر سیرت و کردار

پروفیسر ڈاکٹر خالد جامعی شعبہ تصنیف و تالیف کراچی یونیورسٹی

آپ کی کتاب تعمیر سیرت و کردار موصول ہوئی سفر کے لئے پا بہ رکاب تھا لہٰذا کسی تکلف کے بغیر گستاخی کا مرتکب ہوتے ہوئے آپ کو وصولی کی رسید دے رہا ہوں۔ کتاب کا بہت بہت شکریہ۔ آپ کا رسالہ اور آپ جس طرح دین کے لئے کوشش کر رہے ہیں وہ قابل تحسین ہے۔ اپنی بساط کے مطابق آپ جو کچھ لکھتے اور کہتے ہیں اسے نہایت سلیقے حسن سے مرتب کر کے پیش کر دیتے ہیں۔ آپ کی کتاب کا مطالعہ تو نہیں کر سکا لیکن آپ سے کراچی میں جو ملاقات ہوئی تھی اور آپ کی شخصیت کا جو مجموعی تأثر تھا وہ سراپا اخلاص نیتی کا تاثر تھا۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم بھی دیا ہے عمل بھی وسائل بھی لہٰذا چند نوجوانوں کو اس طرح

تربیت دیں کہ وہ عصر حاضر کے فتنوں کا جواب دے سکیں دینی تحریکوں کی صف میں اب کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو فتنہ ہائے حاضر کا جواب دے سکے مثلاً جاوید غامدی صاحب کے معاملے میں ہمارے دینی حلقے پسپائی کی سطح پر کھڑے ہیں بنوری ٹاؤن کراچی اور نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے بہت سے اساتذہ اور مفتی فکرِ غامدی سے متاثر ہو گئے ہیں اسی طرح اپنے گنوں، روایت کا مکتبہ، جدید خارجی اور معتزلی تحریکیں، ماڈرنسٹ اسلام وغیرہ لیکن دور دور تک اندھیرا ہے۔ کراچی میں ہم اپنی سطح پر یہ کام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ساہیوال میں بھی یہ سلسلہ جاری ہے جہاں تین روز تک محاضرات ہوتے ہیں صبح فجر سے لے کر رات دس بجے تک کھانے اور نماز کے وقفے کے سوا محاضرات جاری رہتے ہیں ان میں تمام مکاتب فکر کے علماء بلکہ تنظیم اسلامی کے لوگ بھی تشریف لاتے ہیں جناب رشید ارشد صاحب بھی وہاب سہروردی صاحب کے محاضرات میں لاہور تنظیم سے تشریف لا چکے ہیں۔ مقصد ایسے علماء کو تیار کرنا ہے جو فتنہ ہائے حاضر کا مقابلہ کر سکیں۔ تحریر تصنیف تقریر مباحثہ مذاکرہ وغیرہ۔

اگر کراچی تشریف لائیں یا ای میل نمبر دیں تو اپنی کوششوں سے آپ کو آگاہ کریں گے۔ آپ اس کام کو اپنی سطح پر اپنے طریقے سے جھنگ میں بہت اچھی طرح بلکہ مجھ سے ہزار درجہ بہتر طریقے سے کر سکتے ہیں کیونکہ آپ کا علم، تقویٰ، اخلاص کم از کم مجھ سے کئی ہزار درجہ زیادہ ہے۔ یہ مبالغہ نہیں حقیقت ہے ہم تو اسلامی تحریکوں اور علماء کے خادم ہیں اس سلسلے میں کتابیں، مسائل، مباحث، عنوانات خطوط ہم مہیا کر سکتے ہیں اس خدمت کے لئے حاضر ہیں۔

اگر مشورہ مناسب معلوم ہو تو رابطہ کیجئے گا اگر مناسب نہ لگے تو اسے مسترد کر دیں اطلاع دینے کی بھی ضرورت نہیں۔ ہمارے شاگرد رشید جناب ظفر اقبال صاحب کی کتاب -اسلام اور جدید سائنس، نئے تناظر میں- پر تبصرہ پڑھا، حکمت بالغہ کے مبصر نے اس قدر اہم کتاب پر اتنا مختصر مگر اتنا جامع تبصرہ کیا کہ حسرت ہوئی ہے میں تو کبھی اس قدر اختصار سے لکھ نہیں سکتا ان پر رشک آتا ہے اللہ ان کے علم و عمل و عمر میں برکت عطا فرمائے اور یہی دعا آپ کے لیے بھی۔ اس کتاب کو آپ ضرور پڑھئے اور تبصرہ لکھیں۔ نسخہ نہیں ملا ہو تو حکم فرمایئے، ارسال کر دوں گا۔

عبدالرشید ارشد، جوہر آباد

دورِ حاضر میں اگر ایک طرف ٹی وی اور نیٹ نے کتب بینی کا شوق ہم سے چھین لیا ہے تو دوسری طرف طباعت کے مراحل نا قابل بیان ہیں کہ یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں رہی۔ یہ محض قیاس آرائی نہیں ہم نے 125 صفحات کا ایک معمولی کتابچہ چھپوانا چاہا تو پرنٹر نے 75 ہزار رعایتی نرخ بتایا۔ معیاری طباعت کا اندازہ خود کیجئے۔ دوسرا مرحلہ کتاب کی طباعت کے بعد اس پر خرچ کی گئی مالیت کے حصول کی خاطر فروخت کا ہے۔ کم وبیش نصف تعداد تو مفت بعض احباب اور لائبریریوں کی نظر ہو جاتی ہے جب کہ بقیہ نصف کے لیے کتب فروش کم ہی تعاون کرتے ہیں لوگ تو آج کل چٹ پٹی کتابیں یا طلباء نصاب پڑھنے پر آمادی نہیں ہیں۔

قرآن اکیڈمی جھنگ کا عزم و ہمت اس لحاظ سے بھی قابل ستائش ہے کہ آج جب مہنگائی کی چکی تلے پسے لوگ یا سٹیٹس کی دوڑ میں آگے نکلنے والے اشاعتِ کتب میں معاونت میں سست ہیں اِلا ماشااللہ، ادارہ انتہائی نفاست اور معیار کے ساتھ قوم کے اجتماعی اخلاق و کردار میں اسلامی روح پھونکنے والا لٹریچر شائع کر رہا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے کتاب بعنوان ''تعمیر سیرت و کردار'' ہے جو حکمت بالغہ میں وقتاً فوقتاً طبع ہونے والے مضامین کا مجموعہ ہے جس میں سیرت و کردار کے بعض مخفی گوشوں کی تعمیر کا فلسفہ مؤثر انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ انجینئر مختار فاروقی صاحب کا قلم اسلامی اقدار کو ہر مسلمان گھرانے تک پہنچانے کے لئے ہر وقت مصروف دیکھا جاتا ہے۔

''تعمیر سیرت و کردار'' 15 ابواب اور 319 صفحات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ہر عنوان کا تعلق ہماری عملی زندگی سے ہے۔ مرتب محترم پیش نظر میں تعارفی الفاظ میں عملی زندگی کی حقیقتوں کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں:

> ''دنیا میں ایک طرف ہوا (OXYGEN) انسان کی ضرورت ہے، پھر لباس، مکان اور وسائل رزق کے ساتھ ساتھ زندگی کی سہولتیں ہیں۔ مزید براں یہی سہولتیں پھر آسائش بن جاتی ہیں اور انسانی خود ہی اپنی زندگی کو پر تکلف بنا لیتا ہے۔ سب سے اوپر انسانی زندگی جسم، رہائش، اور ماحول کو خوبصورت بنانے کا درجہ ہے جس کی حقیقتاً

کوئی حیثیت نہیں ہے۔رب ذوالجلال کی رزاقی کا یہ کمال ہے اور ہم انسانوں پر اس کی عنایات کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ زندگی کے لئے ناگزیر چیزیں سستی ہیں بلکہ مفت ہیں اور سامان تعیش مہنگا ہے اس کا حصول بھی مشکل ہے ......ہوا مفت ہے اور ناقدری کی حد عام ہے۔

ہوا ہی کی طرح انسانی زندگی کیلئے ناگزیر چیز ایمان ہے۔ ایمان اس وسیع کائنات کے بارے میں صحیح نکتہ نظر کا نام ہے۔ کچھ لوگ جو کائنات کے بارے میں غلط تصورات اور مفروضوں کی بنیاد پر اپنی زندگی کا مقصد ترجیحات ،توقعات اور مفرضوں کے نتائج کے قائل ہوتے ہیں جبکہ کچھ لوگ اپنے ضمیر کی بنیاد پر اس کائنات کے خالق و مالک کے تصور کو اپناتے ہیں اور اچھے برے رویئے کے ایک اور دنیا میں نتائج نکلنے پر یقین کر لیتے ہیں۔ ان سعادت مند حضرات جو انبیاء کرام علیہ السلام کہلاتے ہیں کی تصدیق کرتے ہیں......''(صفحہ 10,8)

ہم نے یہ طویل اقتباس اس لئے پیش کیا کہ مکمل کتاب کے تمام ابواب اسی مرکزی نکتہ کے گرد گردش کرتے ہیں مثلاً ھُوَ اجْتَبٰـکُمْ، راہ نجات، ذکر اللہ، حقیقت عمل صالح، حدود اللہ کی حفاظت، ختم نبوت میں ازواج مطہرات کا پہلو، مقام شہادت، تعمیر سیرت، اسمائے حسنہ، حسن تخلیق، مجاہدانہ لائف سٹائل، تعمیر سیرت و کردار اور تقرب الٰہی، انسانی معاملات میں اصلاح اور توبہ، ایمان بالآخرت وغیرہ۔ سچی بات تو یہی ہے کہ فکر آخرت کا شعور اجاگر کرتے، راستہ دکھاتے اگر نجات کا دروازہ کھولنا مقصد ہے تو کنجیاں یہی ہیں جو توبہ کی زنجیر کے ساتھ یکجا ہیں۔اسی زنجیر کی حفاظت توبہ کی حفاظت ہے اور یہی مقصود اصلی ہے۔

عملی انسانی زندگی غموں اور پریشانیوں سے پر ہے۔گردو پیش ہر شخص پریشانیوں کا رونا روتے دیکھا جاتا ہے۔غموں کو سینے سے لگائے لوگ تھک جاتے ہیں جس تھکاوٹ میں ہر شخص مبتلا دیکھا جاتا ہے۔اس کا قرآنی حل پیش کیا گیا ہے:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ'' جو شخص سارے غموں کو ایک ہی غم بنا لے یعنی فکر آخرت کا غم ،اللہ تعالیٰ اس کے تمام دنیاوی غم کے لئے کافی ہو جاتا ہے'...........

جس شخص کے افکار اسے دنیا کے حالات میں بکھیر دیں اس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں کرتا کہ وادی میں ہلاک ہو (صفحہ 67)

فکر آخرت ہی ہے جو بندے کے کردار و اخلاق کو سنوار کر اسے معاشرے کا اہم ترین اور کارآمد پرزہ بناتی ہے۔ سیرت و کردار کی اصلاح انسانی شخصیت پر ہمہ پہلو اثرات مرتب کرتی ہے۔ یہ اصلاح فکر آخرت کی مرہونِ منّت ہوتی ہے جس کی بنیاد ایمان ہو۔

مرتب محترم نے بارھواں چیپٹر مجاہدانہ لائف سٹائل کے لئے وقف کیا ہے اس کا تعلق انہوں نے قیامِ نظام خلافت سے جوڑا ہے عنوان کا تعارف کراتے انہوں نے تمہیدی کلمات میں یہ فرمایا ہے کہ:

''نظامِ خلافت کے قیام کے لئے بہت سے لوگ مختلف انداز میں مصروف عمل ہیں۔ یہ مرحلہ عمل کا داعی اور ایسی جماعتوں سے وابستہ حضرات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے جذبہ سے سرشار ہو کر ہی آگے بڑھ سکتے ہیں۔ تاہم اطاعت رسول ﷺ کے ساتھ ساتھ اتباع رسالت کا اہتمام بھی ضروری ہے.....'' (صفحہ 220)

اتباعِ رسالت کے حوالے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا'' رسول اکرم ﷺ نے منصب رسالت پر فائز ہوتے کوہِ صفا پر پہلا مطالبہ کیا کہ قولوا لا الٰہ الا اللہ تفلحوا تو عربی زبان سمجھنے والی برادری نے بشمول حقیقی چچا اس راہ پر چلنے سے انکار کر دیا تھا۔ علامہ اقبال نے اسی کو ایک شعر میں یوں بیان فرمایا ہے:

؎ چوں می گویم مسلمانم بلرزم کہ دانم مشکلاتِ لا الٰہ را

(میں جب کہتا ہوں کہ مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں کیونکہ لا الٰہ کے اقرار کے بعد پیش آمدہ مشکلات سے بخوبی آگاہ ہوں)

محترم انجینئر مختار فاروقی صاحب کی اس محنت پر جس قدر بھی داد دی جائے کم ہے۔ کہنے والے نے تو سب کچھ کہہ دیا مگر مشکل مرحلہ تو اس پر عمل کرنے والوں کو درپیش ہے اور ہو سکتا ہے اگرچہ دنیوی اور اُخروی فائدہ انہی کا ہے۔ میری دعا ہے کہ ربّ العزت محترم مرتب کے لئے اسے بہترین زادِراہ بنا دے اور پڑھنے والوں کو عمل کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین۔

متفرق

پروفیسر محمد الیاس اعظمی چیئرمین اسلامی تحقیقاتی لائبریری کوٹ اعظم خان، قصور

چند ماہ قبل آپ کی طرف سے درج ذیل علمی تحائف موصول ہوئے:

21/اسلامی انقلابی شخصیات اور یاجوج ماجوج؟۔

مگر کثرت ہجوم مشاغل کے باعث فوری طور پر تحریری شکریہ وتبصرہ پیش نہ کرسکا اگرچہ فون پر اسی وقت شکریہ ادا کیا تھا۔آج قدرے فرصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ سے قلمی ملاقات کررہا ہوں۔امید ہے چند لمحے ضرور عطا فرمائیں ہے۔

یاجوج ماجوج؟ کے حوالے سے آپ کی تحریر علم،فکر اور تحقیق پر مشتمل ایک قلمی شاہکار ہے۔آپ نے ایک انتہائی اہم قرآنی موضوع پر قلم اٹھا کر اور معروضی عالمی حالات کے تناظر میں جس باوقار انداز میں اپنے افکار کو پیش کیا ہے وہ یقیناً قابل تحسین ہے۔اس سے قبل مختلف مفسرین قرآن اپنے اپنے انداز میں اس مسئلہ پر اپنی آراء کا اظہار کرتے رہے ہیں مگر آپ نے جس طرح مختلف پہلوؤں سے بحث کی ہے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے یہودی،عیسائی اور ہندوؤں کی روایات کی روشنی میں یاجوج ماجوج کی حقیقت کی نقاب کشائی کی ہے اس سے کتاب میں دلچسپی تو پیدا ہوئی ہے اس کے ساتھ ساتھ تقابل ادیان سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے بھی ایک ٹھوس عملی و تحقیقی کتاب کی حیثیت بھی اس کو حاصل ہوگئی ہے۔

اب یہ امر کسی سے پوشیدہ نہیں رہا کہ موجودہ مغربی تہذیب نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور اس کے نتیجہ میں انسان کرب میں مبتلا ہے اور انسانیت وانسانی اخلاق تباہی کے کنارے کھڑے ہیں۔ایسے ماحول میں آج کی ماحولیات تصویر کو واضح کرتے ہوئے یہ تحریر نژادنو بلکہ ہر معاشرتی فرد کے لئے راہنمائی کرتی ہے۔

مغرب اور اقدار حیات سے عاری اس کی مادّی تہذیب نے انسانی ڈھانچے کی

زیبائی کو برقرار رکھنے کے جو مادی ترقی کی ہے اس نے اندر کے انسان کو ہلاک کر کے رکھ دیا ہے جس کے باعث اخلاق اور اخلاقی اقدار ملیامیٹ ہو چکی ہیں۔ لہٰذا اس دور فتن و دور زوال میں ملت کا بہی خواہ جو کوئی بھی افراد ملت کی جادۂ حق کی طرف راہنمائی کرنے والا ہے، وہ قابل داد اور لائق تحسین ہے۔

محترم فاروقی صاحب! یہاں یہ امر بھی بہر صورت پیش نظر رہنا چاہئے کہ ہادیٔ عالم، معلم انسانیت اور مربی اعظم سیّدنا نبی کریم محمد مصطفیٰ ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے جس کا مفہوم یہ ہے: ''اس امت کے آخری طبقہ کی اصلاح بھی اسی طرح ممکن ہے جس طرح اس کے پہلے طبقے کی اصلاح ہوئی ہے''۔ اس ارشاد گرامی کی روشنی میں موجودہ دور کی اصلاح صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اس کو روحانی الذھن والفکر بنا دیا جائے، آج کی مادّی دنیا کی محبت اس کے دل سے نکال دی جائے تو پھر انسان اپنا کھویا ہوا وقار بحال کر سکتا ہے اس کے علاوہ اس کی کوئی دوسری صورت ممکن بھی نہیں اور قابل عمل بھی نہیں۔ قرونِ اولیٰ کے انسان کی اصلاح کا پہلا مرحلہ وزینہ جس کو اختیار کیا گیا وہ تھا دلوں میں محبت رسول ﷺ کا چراغ روشن کرنا۔ جب تک حب رسول ﷺ کو عشق کی حد تک نہیں پہنچا دیا جاتا اس وقت اصلاح کی کوئی بھی کوشش ثمر بار نہیں ہو سکتی۔ اس لئے اُمت کو فتنوں سے آگاہ کرنے کے ساتھ ان سے بچاؤ کے طریقوں سے آگاہ کرنا بھی ضروری ہے۔ اطاعت وعبادت بھی اسی وقت ہو سکتی ہے جب دل میں داعی عبادت کی محبت موجزن ہو گی۔ اس لئے کہ بقول اقبال: گر باو نرسیدی تمام بولہبی ست

اس کتاب کا ایک عنوان اور حکمت بالغہ کا الصلوٰۃ والسلام نمبر اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نکتہ سے آگاہ بھی ہیں اور اس کو عام کرنے کا جذبہ بھی رکھتے ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ مولائے کائنات ہر بندے مومن کی اُن کوششوں کو شرف قبول بخشے جو دعوت دین کے لئے سرانجام دے رہا ہے۔

☆ **''21 اسلامی انقلابی شخصیات''** یہ آپ کا دوسرا علمی کارنامہ ہے اور یہ بھی بڑا لائق تحسین ہے۔ تذکرہ نگاری ایک علم بھی ہے اور ایک فن بھی۔ اس فن کی اصل بنیاد اوّلاً قرآن مجید ہے کہ جس میں خود خلّاق عالم نے جا بجا حکم دیا ہے مثلاً واذکر فی الکتٰب ابراھیم۔ واذکر

فی الکتٰب مریم وغیرہ۔اور ثانیاً حدیث رسول ﷺ کہ خود رسالت مآب ﷺ نے اپنی زبان حق ترجمان سے فضائل انبیاء بلکہ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے فضائل اور شخصی محاسن کو بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ انہیں دو بنیادی مآخذوں کی روشنی میں ائمہ حدیث نے اسماء الرجال کا ایسا لازوال فن ایجاد کیا کہ علمی دنیا میں مسلمانوں کے علاوہ کوئی دوسری قوم اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

اکابر کے احوال حیات کا مطالعہ کرنے سے پژمردہ دلوں میں یقیناً جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے اور قومیں اپنے اکابر کے روشن کارناموں کو پڑھ کر اپنے آگے بڑھنے کے لئے نئی نئی راہیں متعین کرتی ہے۔تذکرہ نویسی محض بزرگوں کے احوال حیات کا جمع کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ایک ماہر سوانح نگار اپنے ممدوح کے شب وروز حیات کو جمع کرنے کے ساتھ اس دور کی علمی، تہذیبی، سیاسی، مذہبی، اخلاقی، سماجی اور معاشی رویّوں کی عکاسی بھی کرتا ہے جس دور میں زیر تذکرہ بزرگ نے لمحات حیات بسر کئے ہوتے ہیں۔

21 اسلامی انقلابی شخصیات کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری کو جابجا مذکورہ پہلو کہیں اشارے اور کہیں وضاحت کے ساتھ معلومات افزا باتیں پڑھنے کو ملتی ہیں اگر یہ کہا جائے کہ آپ نے 312 صفحات اور تین حصص کے کوزے میں اسلام کی صدیوں پر محیط تاریخ کو سمو دیا ہے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا۔آپ کو یہ جان کر یقیناً مسرت ہوگی کہ راقم نے اپنے ایم۔فل کے تحقیقی مقالہ ''تفسیرات احمدیہ اور روائع البیان کا تقابلی مطالعہ'' میں ملا جیون کی تفسیرات احمدیہ کے سیاسی پس منظر میں ایک جگہ اس کا حوالہ بھی پیش کیا ہے۔آپ کی ممدوح چند شخصیات سے متعلق علمی وفکری تحفظات کے باوجود مجموعی طور پر آپ کی یہ کاوش، اسلوبِ بیان قابل داد ہے۔اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔تذکار وسوانح کا مطالعہ کا شوق رکھنے والے اہل علم کے لیے اس میں علمی شوق کی تسکین کا وافر سامان موجود ہے۔

الحمدللّٰہ

ماہنامہ حکمت بالغہ

نومبر 2014ء

کا شمارہ

جنوبی ایشیا میں

ھند و مسلم نظریاتی کشاکش

اپنے موضوع پر

ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے

اور محدود تعداد میں دستیاب ہے

خود مطالعہ کریں___ دوستوں کو تحفہ دیں

166 صفحات قیمت:150 روپے

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر

047-7630861-7630863

حکمت بالغہ

کے مشن میں تعاون کریں

بچہ کار آیدت ز گل طبقے؟

پھولوں کا طبق تیرے کس کام آئے گا

از گلستان من ببر ورقے

میری گلستان کا ایک ورق لے جا

گل ہمیں پنج روز شش باشد

پھول یہی پانچ چھ روز رہے گا

ویں گلستان ہمیشہ خوش باشد

اور یہ گلستان ہمیشہ تازہ رہے گا

(حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ)

اپنے دوستوں کو حکمت بالغہ

کی سالانہ خریداری کا تحفہ دیں

اہل ثروت حضرات کے لیے تاحیات

زرتعاون سترہ ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرتعاون: اندورنِ ملک 400 روپے